# مجلس ادارت



## معارف کا زر تعاون

ہندوستان میں سالانہ ساٹھ روپے فی شمارہ پانچ روپے

پاکستان میں سالانہ ایک سو پچاس روپے

دیگر ممالک میں سالانہ ہوائی ڈاک پندرہ پونڈ یا چوبیس ڈالر

بحری ڈاک پانچ پونڈ یا آٹھ ڈالر

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ :۔ حافظ محمد یحییٰ شیرستان بلڈنگ

بالمقابل ایس ایم کالج ۔ اسٹریچن روڈ ۔ کرا

- سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں، بینک ڈرافٹ درج ذ
نام سے بنوائیں:

ARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY AZAMGARH

- رسالہ ہر ماہ کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے، اگر کسی مہینہ کے آخر تک رسالہ نہ پہونچے تو ا
اطلاع اگلے ماہ کے پہلے ہفتہ کے اندر دفتر معارف میں ضرور پہونچ جانی چاہیے، اس کے
رسالہ بھیجنا ممکن نہ ہوگا۔
- خط و کتابت کرتے وقت رسالے کے لفافے کے اوپر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور د
- معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔
کمیشن ۲۵٪ ہوگا ——— رقم پیشگی آنی چاہیے۔

جلد ۱۵۳ ماہ رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۹۴ء عدد ۳

مضامین



مقالات



معارف کی ڈاک



ادبیات



باب التقریظ والانتقاد

# شذرات

گذشتہ ماہ انہی صفحات میں یہ عرض کیا گیا تھا کہ گو مسلمانوں پر ظلم و زیادتی ہو رہی ہے لیکن اس کی شکایت و احتجاج کو شیوہ بنا لینے سے انکا کچھ بھلا ہونے والا نہیں ہے بلکہ اس سے الٹا نقصان ہی پہونچے گا۔ اس لیے اس میں قوت و توانائی اور قابلیت و صلاحیت صرف کرنا سعی لاحاصل اور وقت عزیز کو ضایع کرنا ہے۔ پیچیدہ اور خراب حالات کی اصلاح حکمت، تدبر، سوجھ بوجھ اور دور اندیشی سے ہو سکتی ہے اور مسلمانوں کو ہر حال میں خدا کی ذات سے یہ امید رکھنی چاہیے کہ وہ حالات کو تبدیل کر دینے پر قادر ہے، اس نے دنیا کو حق و غایت کے ساتھ پیدا کیا ہے اور وہ ظلم و ناانصافی اور شر و فساد کو پسند نہیں کرتا، جب بھی طغیان و عدوان حد سے بڑھ جاتا ہے تو کوئی موسیٰ بڑھ کر طلسم سامری توڑ دیتا ہے۔ جس طرح رات کے اندھیرے کے بعد دن کا اجالا آتا ہے اسی طرح بدتر حالات کے بعد بہتر حالات رونما ہوتے ہیں، سختیاں اور پریشانیاں جھیلنے کے بعد آسائشیں اور آسانیاں میسر ہوتی ہیں۔ دار و رسن سے گزرنے کے بعد ہی تخت و تاج نصیب ہوتا ہے۔

---

قوموں کی زندگی میں ان کے تشخص کی بڑی اہمیت ہوتی ہے، وہ اپنی نسلوں کے فنا ہونے سے نہیں بلکہ اپنے قومی و ملی تشخص کے باقی نہ رہ جانے سے ختم ہوتی ہیں۔ مسلمانوں کو انگریزوں کے زمانے میں بھی اپنے تشخص و امتیاز کے ضیاع و عدم تحفظ کا شکوہ رہا اور اب قومی حکومت کے دور میں بھی اسی کا گلہ ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ خود انھوں نے اپنی شناخت اور پہچان کو باقی رکھنے اور اس پر اپنی آیندہ نسلوں کو قائم رکھنے کے لیے کیا جد و جہد کی؟ کیا وہ خود بھی اس کی طرف سے غافل اور بے پروا نہیں رہے؟ کیا انھوں نے کبھی اس پر سنجیدگی سے توجہ دی کہ انکی نسلیں انکے مذہبی عقائد، تہذیبی روایات اور صالح اقدار کو اپنے اندر جذب کر لیں جن سے انکی شناخت برقرار رہے، کیا اس کے لیے کوئی سرگرمی دکھائی گئی کہ مسلمان اپنے تشخص اور پہچان کو برباد کرنے والے نئے حالات اور نئے چیلنج کا مقابلہ خود بھی کریں اور اپنی نسلوں کو بھی اس کے لیے تیار کریں۔ کیا زور خطابت دکھانے، فلک شگاف



نعرے لگانے اور بلند بانگ دعوے کرنے سے مسلمانوں کی شناخت باقی رکھی جا سکتی ہے؟

---

عقائد و ایمانیات کی صحت و درستگی، عبادات و شرائع کی پابندی و بجا آوری، سیرت و اخلاق کی بلندی و پختگی، لین دین اور معاملات کی سچائی اور کھرا پن ہی مسلمانوں کی خاص شناخت اور اصلی پہچان تھی جن کو وہ گنوا بیٹھے ہیں، اس میں اغیار کی جارحیت اور چیرہ دستی کا کوئی دخل نہیں ہے، انھوں نے خود خدا پرستی اور راسخ العقیدگی کو چھوڑ کر جاہلانہ عقیدے، فاسد خیالات، مشرکانہ توہمات اور غیر شرعی اعمال و رسوم اختیار کر لیے ہیں، اللہ سے تعلق کے بجائے طاغوت سے پینگ بڑھائی ہے، خدائے واحد کو چھوڑ کر عقیدت و نیاز کے سینکڑوں آستانے بنا لیے ہیں، شب و روز بابری مسجد کا واویلا کرنے والوں کا حال بنی اسرائیل کے ان ناخلف لوگوں جیسا ہو گیا ہے جن کے متعلق قرآن مجید نے کہا ہے: فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا (مریم ۱۹: ۵۹) مسلمان اچھے اوصاف، پاکیزہ کردار، ایمان داری، راست بازی، سچائی، امانت، دیانت اور نیک چلنی سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں اور ہر قسم کی برائیاں اور عیوب ان میں رچ بس گئے ہیں، جب جھوٹ، فریب، مکاری، عہد شکنی، بد دیانتی، اکل اموال بالباطل، مداہنت فی الدین، ضمیر فروشی اور دورخا پن قائدین کا وتیرہ بن گیا ہو تو عوام کو اس کے لیے کیسے ملامت کی جا سکتی ہے ؎

اذا کان رب البیت بالطبل ضاربا فلا تلم الاولاد فیہ علی الرقص

اس تحریر کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان اپنا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ خود ان کی وجہ سے انکے اندر جو کمی پیدا ہو گئی ہے، وہ کس طرح دور ہو سکتی ہے، ان کی بے احتیاطی سے ان کی قومی و ملی زندگی میں جو نقائص اور خرابیاں سرایت کر گئی ہیں ان سے وہ کیسے نجات حاصل کر سکتے ہیں، ان کی غفلت و بے حسی کے نتیجے میں ان کے جو امتیازات و تشخصات ختم ہو گئے ہیں، ان کی بازیابی کیونکر ممکن ہے، انھوں نے خود اپنے دین و مذہب میں جو خرافات داخل کر لیے ہیں ان کی اصلاح کا راستہ کیا ہے؟ ان کے ہاتھوں ان کی تہذیب، انکا کلچر اور ان کا پرسنل لا جو مسخ ہو گیا ہے، وہ اپنی اصل

ہیئت میں کیسے آسکتا ہے، انھوں نے خود اپنی انفرادی واجتماعی زندگی کو اسلامی تعلیمات سے جو دور کر لیا ہے وہ کس طرح ان کے مطابق ہو سکتے ہیں، ان چیزوں کا بقا و تحفظ دستوری ضمانت پر موقوف نہیں ہے، ان پر خود انہی کو سنجیدگی سے توجہ دینا اور فکرمند ہونا ہوگا۔ رہے ان کے وہ حقوق وامتیازات جو دستور کی ضمانت کے باوجود پامال ہورہے ہیں تو وہ بھی جوشِ تقریر اور شکوہ واحتجاج سے انہیں نہیں ملیں گے بلکہ انکے لیے منظم، پُرامن اور آئینی جدوجہد کرنی ہوگی۔

---

عالی جناب حکیم عبدالحمید صاحب نے مسلمانوں کی تعلیمی پس ماندگی دور کرنے کے لیے مختلف مفید اقدامات کیے ہیں، ہمدرد ایجوکیشن سوسائٹی بھی اسی کی کڑی ہے، جس کا اہتمام وانصرام جناب سید حامد سابق وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے سپرد ہے، حال ہی میں سوسائٹی نے دینی مدارس و مکاتب کے سروے کا منصوبہ بنایا ہے، اس اہم اور ضروری کام کی تکمیل کے لیے ہندوستان کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے دینی مدارس ومکاتب کے مکمل پتے ہمدرد ایجوکیشن سوسائٹی۔ تعلیم آباد۔ سنگم وہار، نئی دہلی 110062 کو مطلوب ہیں۔

---

افسوس ہے کہ ۱۴ رمضان المبارک کو علامہ شبلیؒ کے حقیقی نواسے حافظ محمد عرفان صاحب وفات پاگئے، ان کا وطن بندول تھا مگر قیام اعظم گڈھ میں تھا، وہ دارالمصنفین برابر آتے اور جمعہ کی نماز بھی یہیں پڑھتے، انہیں قرآن مجید بہت اچھا یاد تھا اور ہر سال تراویح میں اسے سناتے اس سال بھی ضعف وعلالت کے باوجود روزے چھوڑنے کے لیے کسی طرح آمادہ نہ تھے، رمضان کے مقدس مہینہ میں وفات ان کے حسنِ خاتمہ کا ثبوت ہے۔ اللہ تعالیٰ پس ماندگان کو صبر و قرار عطا کرے۔ آمین!

---



مقالات

# ہندو مسلم تعلقات

## چند بنیادی حقیقتیں

از ڈاکٹر محمد خلیل عباس صدیقی۔ کلکتہ

(۲)

**سماجیاتی حقائق** ہندوستان کے مختلف خطوں جیسے شمالی ہند، جنوبی ہند، مشرقی ہند اور مغربی ہند کے لوگوں خصوصاً قبیلوں اور ذاتوں کی مردم شماری کے اعداد و شمار پر مبنی کئی جلدیں گذشتہ صدی کے آخر سے لے کر ۱۹۱۶ء تک شایع ہوئی ہیں۔ ان میں مندرج قبیلوں، ذاتوں اور برادریوں کی فہرست کے ساتھ ان کا مختصر پس منظر بھی درج ہے۔ اس سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے نسلی پس منظر کے علاوہ ان کے آبائی پیشوں، معیشت اور اقتصادیات کے بارے میں بھی معلومات فراہم ہوتے ہیں۔ ان فرہنگوں (GLOSSAR IES) کی ترتیب مندرجۂ ذیل اصحاب نے کی ہے۔

ایلیٹ (۱۸۴۴ء) ایبٹسن (۱۸۸۳ء) نسفیلڈ (۱۸۸۵ء) رزلے (۱۸۹۲ء) کروک (۱۸۹۴ء) تھرسٹن (۱۹۰۹ء) اور رسل اور لال (۱۹۱۶ء)۔ ان میں بہت ساری ذاتوں کے ہندو اور مسلمان دو متوازی گروہ ہیں۔ ان جلدوں کی اشاعت کے بعد ہٹن (۱۹۴۶ء) اسمتھ (۱۹۴۷ء) بوس (۱۹۵۱ء) اور سرینیواس (۱۹۶۸ء) نے دونوں مذہبی گروہوں یعنی ہندوؤں اور مسلمانوں کی سماجی تنظیموں کے درمیان مماثلت اور

ان کی یکساں خصوصیات کی نشاندہی کی اور ساتھ ہی ان کی امتیازی خصوصیتوں پر بھی روشنی ڈالی۔

کچھ دوسرے سماجیات دان جیسے غوث انصاری (۱۹۶۱ء ۱۹۵۶ء) گپتا (۱۹۵۶ء) زرینہ احمد (۱۹۶۲ء) فریڈرک بارتھ (۱۹۶۰ء) مصرا (۱۹۶۳ء) صدیقی (۱۹۷۹ء) نے مسلم سماجی تنظیم اور سماجی ماحول سے اس کے تعلقات کا مطالعہ سنجیدگی سے کیا۔ ان لوگوں نے بڑے پیمانے پر فیلڈ ورک اور شماریاتی موہوب کے ذریعہ مسلم معاشرے کی ہیئت، ساخت اور تنظیم کا جو نقشہ پیش کیا ہے اس سے ہندوستانی مسلمانوں کی ہندوستانیت بدرجۂ اتم ظاہر ہوتی ہے۔ مسلم معاشرے اور ہندوستانی معاشرے میں ان کی ساخت اور دیگر خصوصیات کی بنا پر بُعدالمشرقین نہیں ہے بلکہ ہر تہذیب کی امتیازی خصوصیات کے باوجود ان میں بڑی حد تک یکسانیت ہے۔ علاوہ ازیں ان دونوں فرقوں کے درمیان معاشی اور پیشہ ورانہ دائرۂ کار میں بھی گہرا تعلق اور تعامل ہے۔ لیکن نوآبادیاتی عہد کے دانشوروں نے دونوں فرقوں کے درمیان لسانی، نسلی اور تہذیبی رشتوں کو نظر انداز کیا ہے۔ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں ہے اس لیے ہم بہت اختصار سے ان بنیادی حقیقتوں کی طرف اشارہ کریں گے۔

۱۔ مسلمانوں کی آبادی اور اس کا پھیلاؤ: یہ خیال بے بنیاد نہیں ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی آبادی اس سے کہیں زیادہ ہے جتنی کہ مردم شماری کی رپورٹوں میں دکھائی گئی ہے۔ پھر بھی اگر چہ انہی اعداد و شمار پہ انحصار کریں تو ۱۹۸۱ء کی مردم شماری کے مطابق ہندوستانی مسلمانوں کی آبادی آٹھ کروڑ سے بھی زیادہ ہے۔ اس طرح مسلمان ہندوستان کی کل آبادی کا کم و بیش ۱۲ فیصد ہیں جبکہ ہندو ۸۲٫۶ فیصد ہیں۔ دوسری اہم اقلیتوں میں عیسائی ۲٫۴۳ فیصد، سکھ ۱٫۹۶ فیصد، بودھ ۰٫۷۱ فیصد



اور جین ۰٫۴۸ فیصد ہیں۔

مسلمانوں کی آبادی ملک کی سب ہی ریاستوں اور مرکز کے زیر انتظام علاقوں میں پھیلی ہوئی ہے اور ملک کے طول و عرض، دیہی، شہری حتیٰ کہ آدی باسی قبائل کے علاقوں میں مسلمانوں کے پھیلاؤ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس ملک میں ان کی جڑیں بہت گہری ہیں، ان کا یہ تنوع ملک کے گوناگوں اقسام کے لوگوں سے ان کے گہرے رشتہ کا پتہ دیتا ہے۔ برطانوی عہد اور اسکے بعد کے بھی بیشتر مورخین نے مسلمانوں کے اس تنوع کی طرف توجہ نہیں دی بلکہ انہیں ترک، مسلم نسل MOHAMMADAN RACE وغیرہ جیسے القاب سے نوازا اور انہیں یکرنگ گروہ تصور کیا۔ چنانچہ ان کے علاقائی، لسانی، نسلی، اور پیشوں کے پس منظر جو دراصل سرزمین ہند سے ان کے مضبوط رشتے اور گہرے تعلق کی طرف نشاندہی کرتے ہیں ان دانشوروں کی نگاہوں سے اوجھل رہے۔ بعض مورخین نے تو عہد وسطیٰ کے حکمرانوں اور مسلم عوام میں امتیاز نہیں برتا۔

۲۔ لسانی رشتہ: محض سرسری نظر ڈالنے سے بھی پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان کے اندر جتنی زبانیں رائج ہیں اور یہاں جو بولیاں بولی جاتی ہیں، مسلمانوں کی آبادی اتنے ہی گروہوں میں بٹی ہوئی ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ جنوبی ہند میں دراوڑی بولنے والے مسلمان دوسرے اہلِ وطن کی طرح ملیالی، تامل، تلگو، کنڑی اور کورگی زبانیں بولتے ہیں۔ مغربی بنگال، آسام اور منی پور میں مسلمانوں کی خاصی بڑی آبادی ہے اور وہ بنگلہ، آسامی اور منی پوری زبانیں بولتی ہے۔ اودھی، برج، بھوجپوری، مگدھی، میتھلی، انگیکا وغیرہ ہندوستانی بولیاں متعلقہ علاقے کے مسلمان بھی اسی طرح بولتے ہیں جس طرح ہندو۔ اترپردیش، بہار، مدھیہ پردیش، ہریانہ اور پنجاب کے شہروں کی ادبی زبانوں ہندی اور

اردو کے متعلق نوآبادیاتی شاطرانہ سیاست شروع ہوئی اور اس نے لسانی اعتبار سے یکرنگ گروہ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ عام طور پر ہندوؤں نے ہندی اور مسلمانوں نے اردو کی حمایت کی اور ہندی نے رفتہ رفتہ غلبہ حاصل کر لیا۔ لیکن یہ بات ناقابل تردید ہے کہ اردو کا جنم اسی ملک کے آب و گل میں ہوا اور اس کا وجود ہندوؤں اور مسلمانوں کے آپسی میل جول سے عمل میں آیا جو اپنی شیرینی اور لطافت کے سبب آج بھی ہندوؤں اور مسلمانوں میں مقبول ہے۔

ہندوستان میں 'اسلامی یا مسلم زبان' نام کی کوئی شئے نہیں بلکہ ہندوستان کی تمام علاقائی زبانوں اور ان کے ادب میں مسلمانوں کا حصہ کچھ کم نہیں۔ پورے برصغیر میں پشتو اور بلوچی زبانوں کے علاوہ کوئی دوسری ہندوستانی زبان کسی بھی اسلامی ملک میں نہیں بولی جاتی۔ پس ہندوستان کی کوئی بھی رائج زبان نہ خالص ہندو ہے اور نہ خالص مسلمان بلکہ تہذیب کے اس اہم عنصر میں ہندو اور مسلمان برابر کے شریک ہیں۔

۳۔ علاقائی نسبت : ہندوؤں کی مختلف ذاتوں کی طرح مسلمانوں کی برادریوں یا جمعیتوں کی نسبت مختلف علاقوں کے ساتھ اتنی گہری ہے کہ ان جمعیتوں یا برادریوں کی شناخت متعلقہ علاقے کے سیاق و سباق سے باہر کرنا مشکل ہے۔ مراٹیکر، راؤتھر، لبّی، کیلادُ، کے ای، موپلا وغیرہ جنوبی ہند کے دراوڑی علاقوں میں ہی ملیں گے۔ بیدیا، بھلدار، بیلدار، بازیگر، پٹوا، نکاری وغیرہ بنگال کے ڈیلٹائی علاقوں میں ملیں گے۔ گوریا اور میو نام کی جمعیتیں وادیٔ برہمپتر میں اور پنگن منی پور میں آباد ہیں۔ شیخ زادے، مارڑی، منیہار وغیرہ راجستھان میں ملیں گے، میو ہریانہ میں اور گوجر ہماچل پردیش میں بسے ہوئے ہیں۔ بوہرے، میمن اور ایسے ہی متعدد گروہوں کی آبادی گجرات میں مرکوز ہے، ترڑی،



نرلے، نہال اور گونڈ مسلمان مہاراشٹر اور مدھیہ پردیش کے مخصوص علاقوں میں ہی رہتے ہیں۔ قوم پنجابیان نام کے کھتری مسلمانوں کا تعلق مغربی اتر پردیش اور دہلی سے ہے۔ اپنے علاقوں سے باہر ان کی حیثیت آبادکاروں یا متوطنوں کی سی ہے۔ متعلقہ علاقوں کے ساتھ مسلمان برادریوں یا جمعیتوں کی ابتدا اور گہری نسبت کی یہ محض چند مثالیں ہیں اور جن علاقوں سے انکا تعلق ہے وہ ان کی شناخت اور ان کی مناسب سماجی توضیح کے لیے ناگزیر ہیں۔

ان میں سے کچھ مسلم جمعیتوں کی جڑیں اپنے اپنے علاقوں کے اندر اتنی گہری ہیں کہ وہ اپنے علاقوں سے باہر کے دوسرے مسلمانوں کو بیرونی تصور کرتے ہیں اور اپنے علاقے کے ہندوؤں کو ہم وطن اور داخلی تصور کرتے ہیں۔ مثال کے طور پہ منی پوری مسلمان جو خود کو پنگن کہتے ہیں ہندوستان کے دوسرے علاقوں حتی کہ آسام اور بنگال کے مسلمانوں کو بیرونی یا "میانگ" کہتے ہیں۔ منی پوری ہندوؤں پر اس اصطلاح کا اطلاق نہیں ہوتا۔ 'میانگ' کی روایتی اصطلاح سے مراد ایسے لوگ ہوتے ہیں جن سے ربط ضبط اور خلط ملط سے اجتناب ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح کی دوسری مثالیں بھی موجود ہیں اور ان سے کم از کم اتنا پتہ چلتا ہے کہ مذہبی فرق کے باوجود علاقائی بنیاد پر یہ لوگ مقامی لوگوں کو اپنا تصور کرتے ہیں۔

۴۔ سماجی نظام : ہندوستانی مسلمانوں کے سماجی نظام پر نظر ڈالیے تو معلوم ہوگا کہ ملک کے مختلف حصوں میں اس کی نوعیت جدا جدا ہے۔ جنوبی ہند کے جزیرہ نما کے قریب کیرل کے کچھ حصوں لکش دیپ، آمین دیپ اور کلپینی کے جزائر میں 'امہاتی' نظام ہے۔ اسی علاقے میں ہندو نائر بھی رہتے ہیں اور ان کا سماجی نظام بھی "امہاتی" ہے۔ رہے ملک کے

دوسرے حصے جہاں پدری نظام ہے وہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں تھوڑے سے فرق کے ساتھ رائج ہے۔

مختلف علاقوں یا ذیلی علاقوں کے چوکھٹے کے اندر مسلم معاشرہ کئی جمیعتوں یا برادریوں میں منقسم ہے اور ہر ایک کی مختلف خصوصیتیں ہیں۔ ان کا مخصوص پس منظر یا تو قبائلی ہے یا پیشہ ورانہ یا ذات پات کی نوعیت کا، یا پھر ایک جماعت جیسا۔ اب تک جو سماجیاتی مطالعے سامنے آئے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں ہر ایک گروہ کی سماجی تنظیم دوسرے گروہوں سے مختلف ہے۔ جن گروہوں کی سماجی تنظیم قبائلی نوعیت کی ہے ان میں ہماچل پردیش اور کشمیر کے مسلم گوجر، ہریانہ میں گوڑگاؤں اور راجستھان سے متصل علاقوں کے میو، مہاراشٹر اور مدھیہ پردیش کے تڑوی، نرلے اور نہال ہیں۔ لکش دیپ کے جزائر کے مسلمانوں اور بڑی حد تک منی پور کے مسلمانوں کی سماجی تنظیم قبائلی نوعیت کی ہے۔ ان کی سماجی تنظیم کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کا معاشرہ ایسے متعدد جد قبیلوں (CLAN) پر مشتمل ہے جن کے یہاں ازدواج خارجی (EXOGAMOUS) کا رواج ہے یعنی جد قبیلوں کے اندر رشتہ ازدواج نہیں ہوتا حالانکہ تمام ازدواجی رشتے قبیلے کے اندر ہوتے ہیں۔

۵۔ علاقائی سماجی نظام اور مسلمان: تمدنی اعتبار سے ہندوستان کئی بڑے بڑے خطوں میں منقسم ہے جن کی بعض تہذیبی خصوصیتیں ان کو دوسرے علاقوں سے ممتاز کرتی ہیں۔ اس طرح کی ایک خصوصیت ان خطوں میں آباد مختلف گروہوں کے درمیان تعلقات کی نوعیت ہے۔ یہ تعلق یا تو عمودی یعنی درجہ بند ہوتا یا پھر افقی یا مساوات پر مبنی ہوتا ہے۔ ہندو اور مسلم معاشرے کے اندر گروہ بندیاں یکساں نظریاتی بنیادوں



پر نہیں ہوتیں۔ ہندوؤں میں درجہ بندی کو ان کے اعتقادات کی تائید حاصل ہے تاہم سب ہی خطوں میں اس کے ضابطے یکساں طور پر سخت نہیں۔ مسلمانوں کے معاشرے میں گروہ بندیاں طبقاتی نوعیت کی اور خالص سماجی ہوتی ہیں۔ لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ ملک کے جن خطوں میں وسیع تر معاشرے کے اندر درجہ بندی کے ضابطے سخت اور مستحکم ہیں وہاں مسلمان معاشروں کے اندر بھی اس کے آثار دکھائی دیتے ہیں لیکن جہاں یہ ضابطے زیادہ سخت نہیں وہاں مسلمان معاشروں کے اندر بھی گروہ کم و بیش مساوی درجہ رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر شمال مشرقی خطے کے اندر وادئ برہمپترمیں ہندو معاشرہ درجہ بندی کا سختی سے پابند نہیں اور مسلمان معاشرے کے اندر موریا، گوریا، حتیٰ کہ سید جیسے گروہوں میں باہم برتری اور کمتری کا احساس نہیں پایا جاتا۔ یہ گروہ آپس میں بے روک ٹوک ازدواجی رشتے بھی کرتے ہیں۔

۶۔ پیشے اور خدمات: ہندوستانی معاشرے کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ بیشتر روایتی پیشے موروثی ہوتے ہیں اور ہندوستان کے ہندوؤں اور مسلمانوں میں یہ خصوصیت موجود ہے۔ مزید براں کچھ استثنار کے باوجود سب ہی روایتی پیشے والوں کی خدمات بلا امتیاز دوسرے فرقے کے لیے بھی ہوتی ہیں۔ ان میں فرقہ ورانہ بنیاد پر تخصیص نہیں برتی جاتی یعنی ہندو پیشہ ور گروہوں کی خدمات مسلمانوں کے لیے اور مسلمان پیشہ ور گروہوں کی خدمات ہندوؤں کے لیے بھی ہوتی ہیں۔ بعض ہندو اور مسلمان پیشہ ور گروہوں کے درمیان تقسیم کار بھی ہے۔ مثال کے طور پر مغربی بنگال میں جیلے نام کی ہندو ذات کے لوگ، ماہی گیری کرتے اور نکاری نام کی مسلم برادری مچھلیاں فروخت کرتی ہے۔ بعض مسلمان برادریوں کے پیشے صرف ہندوؤں کی ضرورتیں پوری کرتے ہیں۔

جیسے بنگال کی پٹوا برادری گو کہ بت پرست نہیں پھر بھی ہندوؤں کی ضرورتوں کے لیے مورتیاں بناتی ہے۔ راجستھان کی چند مسلم برادریوں جیسے شیکھاوٹی، ماڑمی منیہار اور حجام کا انحصار روایتی طور پر راجستھانی ہندوؤں کی خدمات پر ہے اور جب مارواڑیوں نے بیوپار کے سلسلے میں شہروں کا رخ کیا تو ان کی خصوصی خدمات کے لیے مسلم برادریوں کے لوگ بھی ان کے ساتھ شہر آئے۔ کلکتہ میں بھی اس کی مثال دیکھنے کو ملتی ہے۔ یہ لوگ مارواڑیوں کے محلوں میں یا ان کے قریب آباد ہوئے۔ موجودہ دور میں مارواڑیوں کی طرز رہائش میں تبدیلی اور کسی حد تک فرقہ وارانہ تناؤ کے سبب اس طرح کا انحصار کم ہوتا دکھائی دیتا ہے پھر بھی یکسر ختم نہیں ہوا ہے۔

۷۔ مذہبی اعتقادات کا انسانیاتی تجزیہ: خالص انسانیاتی زاویۂ نظر سے اگر دیکھا جائے تو مذہبی اعتقادات پر بھی کچھ نہ کچھ مقامی رنگ نظر آئے گا۔ انسانیاتی مفروضات کی روشنی میں اگر ہم مسلمانوں کے فرقوں پر نظر ڈالیں تو یہ دلچسپ حقیقت سامنے آئے گی کہ مسلمانوں کا سب سے بڑا فرقہ اپنے اعتقادات اور رسم و رواج کے ان پہلوؤں پر جو روایتی ہیں، چنداں نکتہ چیں نہیں۔ اس کے برخلاف جو لوگ نکتہ چیں ہیں وہ عددی اعتبار سے بہت ہی کم ہیں۔ اس سے شاید یہ نتیجہ نکالنا بے جا نہ ہوگا کہ رسم و رواج، اعتقادات اور توہمات کے بارے میں بھی مسلمانوں کی آبادی کے معتدبہ حصے نے مقامی رنگ اور مقامی رجحانات کو اپنے اندر باقی رکھنے کی کوشش کی ہے گو کہ یہ لاشعوری ہے۔

اس کے باوجود کہ ہندوستانی مسلمانوں کے سوادِ اعظم نے ہندوستان کے ماضی سے پوری طرح ناتہ توڑنے کے بجائے اس کو اپنے موجودہ اعتقادات میں سمونے کی کوشش کی ہے تاہم کچھ روایتی عناصر کو جذب کرنے کا مسئلہ خاصا پیچیدہ ہے۔



مندرجہ بالا نکات کی روشنی میں جو بات کھل کر سامنے آئی وہ یہ ہے کہ ہندوستان کا مسلم معاشرہ اسلام کے آئیڈیل اور ہندوستان کے سماجی آئیڈیل کا نقطۂ اتصال یا سنگم ہے۔ اس معاشرے کے اندر دو مختلف نظام کے متضاد منتہائے مقاصد باہم مطابقت پیدا کرتے دکھائی دیتے اور بقائے باہم کی اعلیٰ امثال پیش کرتے ہیں۔

**ہندو تہذیب پر اسلام کا اثر**

ہندو معاشرے پر اسلام کا اثر کچھ کم نہیں ہے۔ ابتدا میں وہ جب اس ملک میں داخل ہوا تھا تو ممکن ہے تھوڑی سی جھنجھلاہٹ کا باعث ہوا ہو لیکن جلد ہی اس نے ہندو سماج کے اندر خوش آیند تبدیلی کے عمل کو مہمیز کیا۔ گو کہ ہندو مت نے مساواتی اقدار کو کبھی تسلیم نہیں کیا ہے تاہم اب پہلے کی طرح اس میں زیادہ شدت نہیں رہ گئی ہے اور مسلمانوں کے ساتھ تعلقات کی وجہ سے بھی ہندو مت میں کئی تبدیلیاں رونما ہوئیں جن کا اظہار اس میں کئی فرقوں کے وجود میں آنے سے ہوتا ہے۔ وشنو دھرم کا وجود ہندوستان میں اسلام کی آمد کے بعد پندرہویں صدی عیسوی میں ہوا جو مساوات کے اصولوں پر مبنی اور ہندوستان کے درجہ بند معاشرے کے اندر انقلاب کی حیثیت رکھتا ہے۔ سکھ دھرم کے بانی گرو نانک جی مساوات کی تعلیم دیتے تھے۔ آریہ سماج کی تحریک ہندو دھرم کے احیا اور اس میں نئی روح پھونکنے کے لیے وجود میں آئی تھی۔ اس نے ہندوؤں کو اسلام کے اثرات سے دور رکھنے کے لیے اس تبدیل شدہ ہندو مت کو پیش کیا۔ لیکن اس کی وجہ سے اسے اسلام اور اس کی تعلیم مساوات کو اپنے اندر جذب کرنا پڑا۔

برہمو سماج کے بانی راجہ رام موہن رائے اسلام کی تعلیمات سے آراستہ تھے اور ان کی تصنیف 'تحفۃ الموحدین' جو برہمو سماج کی بنیادی کتاب ہے پر بھی اسلامی تعلیمات

کا اثر تھا یہ نہ صرف قرآنی آیات اور اصطلاحات سے مزین ہے بلکہ اس میں قرآن مجید کی بہت ساری تعلیمات کو جذب کیا گیا ہے۔

عوامی سطح پر اور بھی بڑا انقلاب آیا چنانچہ عام لوگوں کے ایک بڑے طبقہ نے بغیر کسی اثر اور دباؤ کے اسلام کی بہت ساری علامتیں اختیار کرلیں حالانکہ رسمی طور پر انھوں نے اسلام نہیں قبول کیا تھا۔ لیکن یہ سلسلہ نوآبادیاتی حکومت کی منافقانہ حکمت عملی کے تحت رفتہ رفتہ محدود ہوگیا۔ پھر بھی ایسے کئی عوامی مسلک جیسے کبیر پنتھی، دادو پنتھی، پانچ پیر، سنجوگی، پیرانہ وغیرہ اسلام سے تعلقات ہی کے نتیجے میں وجود میں آئے اور یہ آج بھی کسی نہ کسی شکل میں باقی ہیں۔

ہندو اور مسلم تہذیبوں کے عدم اتصال یا انفصال کے باوجود دونوں نے ایک دوسرے کی خصوصیات اپنائی ہیں اور ہر ایک نے دوسرے کے بعض منتخب عوامل کو اندر ردوبدل یا تاویل کر کے انہیں اپنے اندر کامیابی کے ساتھ سمونے کی کوشش کی ہے۔ تہذیبی و تمدنی اختلاف کے باوجود یہ دونوں فرقے مطابقت کی راہ پر گامزن رہے ہیں۔ ان کے درمیان باہمی تعاون اور تعامل کی ایک لمبی روایت چلی آرہی ہے اور کم از کم اس وقت تک جب نوآبادیاتی حکمرانوں کی منافقت کی پالیسی کے اثرات نمایاں ہوئے، دونوں فرقوں نے آپسی تعاون اور تعامل کی ایک لمبی روایت قائم کی اور مصالحت، موافقت اور مطابقت کی سمت رواں دواں رہے ہیں۔

افسوس ہے کہ ان تمام روایتی تعلقات کے باوجود آج دونوں فرقوں کے درمیان تناؤ اور کشمکش کی کیفیت بڑھتی جارہی ہے اور اب یہ جتنی آسانی سے متصادم ہوجاتے ہیں اس سے پہلے پہلے کبھی نہیں ہوتے تھے۔ اس صورت حال کو سمجھنے کے لیے موجودہ



دور میں ہندوستانی معاشرے کے اندر پائی جانے والی مختلف انواع کی کشمکش پر ایک طائرانہ نظر ڈالنا ضروری ہوگا۔

آج ہندوستانی معاشرہ مختلف قسم کی کشمکش سے دوچار ہے، ان میں طبقاتی، علاقائی، قبائلی و غیر قبائلی، ہندو سکھ، ہندو بودھ، ہندو مسلم اور ہندوؤں کی مختلف ذاتوں خصوصاً اعلیٰ و ادنیٰ ذاتوں کے درمیان تناؤ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ہندوستان کے کثیر گروہی اور جغرافیائی اعتبار سے متنوع ملک میں جہاں مختلف گروہوں کے اندر ترقی کی رفتار یکساں نہیں، گروہی عدم توازن نہ صرف باقی ہے بلکہ وہ شدت اختیار کررہا ہے، بعض گروہوں نے کم ترقی یافتہ علاقوں میں اپنی داخلی کالونیاں بنالی ہیں اور پس ماندہ لوگ اور بھی پس ماندہ ہوگئے ہیں اور ان کے اندر اپنے استحصال کا احساس بڑھ گیا ہے، تناؤ اور کشمکش کا ہونا تعجب کی بات نہیں۔ لیکن اگر ہم فی الحال ہندو مسلم اور اعلیٰ اور ادنیٰ ذاتوں کے درمیان کشمکش کے مسئلے تک ہی اپنا تبصرہ محدود رکھیں تو ہم دیکھیں گے کہ ہندو مسلم کشمکش کے بیشتر اسباب یا تو محض نفسیاتی ہیں یا غلط اور مبالغہ آمیز مفروضات پر مبنی ہیں۔ برطانوی عہد میں نوآبادیاتی حکومت کے مفاد کے لیے تاریخ کو فرقہ وارانہ رنگ دیا گیا اور فرقہ وارانہ کشمکش کے لیے زمین ہموار ہوئی۔ صدیوں تک میل جول، تعاون، ہم آہنگی اور یکجہتی کی سمت رواں دواں رہنے کے بعد مغربی تعلیم حاصل کرنے والے ایک نئے طبقے نے محسوس کیا کہ یہ دونوں فرقے ازل سے ہی ایک دوسرے کے مخالف تھے اسے ان کے میل جول سے وجود میں آنے والے تمدنی عناصر عداوت اور نفاق کی علامت نظر آنے لگے اور نسلی بنیادیں، علاقائی نسبتیں، لسانی رابطے پس پشت ہوگئے۔ نوآبادیاتی مفادات نے جس کشمکش کو جنم دے کر پروان چڑھایا بالآخر وہ ملک کی تقسیم جیسے عظیم سانحے پر

نتیج ہوئی۔ آزاد ہندوستان میں ملک کے استحصال پسند مفادات کے ہاتھوں اقتدار کی جنگ میں یہ کشمکش ایک موثر حربہ بن گئی ہے۔ فرقہ وارانہ تعصبات وسیع پیمانہ پر پھیلے اور ملک کے سیاسی، انتظامی اور معاشی نظام میں شرکت اور ساجھے داری کا تصور، جو جمہوریت کی روح ہے، بالادستی اور زیردستی کے اکثریتی اقلیتی رشتوں میں تبدیل ہوتا دکھائی دینے لگا۔ یہ رجحانات درحقیقت ملک کی ترقی کے لیے سم قاتل ہیں۔ اس کی ہمہ گیر ترقی کے لیے اس صورت حال میں تبدیلی ناگزیر ہے جس کے لیے سماجی ڈھانچے میں انقلاب کیلئے، صرف انداز فکر بدلنے اور غلط اور مبالغہ آمیز مفروضات سے نجات حاصل کرنا ضروری ہے۔ مگر چونکہ یہ مبالغہ آمیز اور غلط مفروضات طاقتور مفادات کی ضرورتیں پوری کرتے ہیں اس لیے ان سے نجات گو مشکل ضرور ہے تاہم تشدد کی متقاضی نہیں ہے۔ اس کے برعکس سماجی ڈھانچے میں پُرامن طور پر تبدیلی امر محال ہے۔ کیونکہ فوقیت کے درجہ پر فائز اور ترجیحی مراعات کے عادی گروہ بخوشی ان نعمتوں سے دستبردار نہیں ہونگے۔

دوسری قسم کی کشمکش مختلف ذاتوں کے درمیان ہے۔ عام خیال کے برعکس ذات پات کا نظام گروہی کشمکش سے کبھی پاک نہیں رہا ہے۔ جنوبی ہند کی مالا اور میڈیگا نام کی ذاتیں صدیوں سے ایک دوسرے کی رقیب رہی ہیں۔ اس کے علاوہ دوسرے علاقوں میں بھی مختلف ذاتوں کے درمیان مقابلہ اور محاذ آرائی کوئی نئی بات نہیں۔ اعلیٰ ذاتوں کی خصوصیات حاصل کر کے ان کے ہم پلہ بننے کی ادنیٰ ذاتوں کی کوشش جسے 'سنسکرتیانہ' کہتے ہیں دراصل 'ہندو آنے' کی تحریک کے بجائے احتجاجی تحریک تھی۔ ۱۷۹۳ء کے دوامی بندوبست کے نتیجے میں بیشتر ادنیٰ ذاتوں سے تعلق رکھنے والے کسانوں کی بدحالی نے انہیں اعلیٰ ذاتوں سے تعلق رکھنے والے زمینداروں کے خلاف خاموش احتجاج کرنے



پر مجبور کر دیا تھا۔ زمینداروں کی گرفت جوں جوں سخت ہوتی گئی مظلوم طبقات میں بے چینی بڑھتی گئی۔ احتجاج کے جارحانہ اظہار کی روایت اور مواقع نہ ہونے کے سبب بڑے پیمانہ پر تشدد کے واقعات تو نہیں رونما ہوئے لیکن کرمی، کوئری، یادو وغیرہ ذاتوں کی کل ہند سبھائیں وجود میں آئیں جن کے مقاصد میں اپنی ذات کے لوگوں کو استحصال سے بچانا بھی تھا۔ البتہ موجودہ صدی کے دوسرے اور تیسرے دہے میں کئی مقامات پر خصوصاً شمالی اور جنوبی بہار میں تصادم کے واقعات بھی ہوئے۔

لیکن جدید ہندوستان میں مختلف ذاتوں کی آپسی کشمکش اپنی وسعت اور نوعیت کے اعتبار سے بالکل ہی جداگانہ اور سنگین ہے۔ اعلیٰ ذاتیں جنہیں روایتی طور پر سماجی اعتبار سے فوقیت اور سیاسی اور اقتصادی اعتبار سے بالادستی حاصل رہی ہے۔ ان ذاتوں کے مقابلے میں جنہیں روایتی طور پر کمتر تصور کیا جاتا رہا ہے اور جو صدیوں سے محرومی اور پسماندگی کا شکار رہی ہیں، اب اپنے جمہوری اور انسانی حقوق کے لیے سینہ سپر ہیں۔ اس کشمکش کا حل سماجی اقتصادی اور طبقاتی ڈھانچے میں انقلاب کا متقاضی ہے، یعنی یہ کہ اس گروہ کو جسے سماجی، معاشی اور انتظامی اعتبار سے فیصلہ کن بالادستی اور فوقیت حاصل ہے اور اس بالادستی کو وہ اپنا ازلی حق تصور کرتا ہے، اپنی ان خصوصی مراعات سے، زیردستوں کے حق میں دستبردار ہونا ہے لیکن یہ سب انقلاب انگیز تبدیلی کے بغیر ممکن نہیں۔

ہندو مسلم اور ذات پر مبنی نظام کی اندرونی کشمکش کا موازنہ کیجیے تو یہ اندازہ ہوگا کہ اعلیٰ اور ادنیٰ ذاتوں کی کشمکش میں ہندو مسلم تناؤ کی طرح غلط اور مبالغہ آمیز مفروضات کو دخل نہیں۔ یہ طبقاتی کشمکش کی طرح سماجی اقتصادی مفادات کے

ٹکراؤ کا نتیجہ ہے۔ لیکن طبقات کی حد بندیاں ذات پات سے منطبق ہوتی ہیں اور ان میں وہ حرکت پذیری نہیں جو عام طبقاتی سماج میں ہوتی ہے اس لیے ان دو گروہوں کے درمیان تناؤ کا شدت اختیار کرنا قرین عقل ہے۔ اس کشمکش اور محاذ آرائی کے سلسلے کا جاری رہنا اس وقت تک لازمی ہے جب تک ان دونوں گروہوں میں توازن قائم نہیں ہو جاتا یا پھر دونوں میں سے کسی ایک کی پسپائی عمل میں نہیں آتی۔

ہندو مسلم اور جدید اصطلاح میں فارورڈ بیکورڈ (بشمول ہریجن) ہر دو نوع کی کشمکش کے درمیان ربط تو اب ایک سطحی ذہن کو بھی دکھائی دے گا۔ وہی عناصر جو ہندو مسلم کشمکش کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں، پس ماندہ ذاتوں سے نبرد آزمائی سے اجتناب کی کوشش کرتے ہیں، کیونکہ زیر دست ذاتیں غالب اکثریت میں ہیں اور ان کی بیداری بالادست اقلیت کی برتری اور اس کے حوصلوں کے لیے سنگین خطرہ ہے۔ بالادست ذاتیں اپنے مفادات اور اپنی برتری کے تحفظ کے لیے جائز و ناجائز کا لحاظ کیے بغیر سب کچھ کرنے کو تیار دکھائی دیتے ہیں۔ انہیں ہر ایسے موضوع (issue) کی تلاش رہتی ہے جو اس سیلاب کا رخ دوسری طرف موڑ دے۔ مسلمانوں سے مشترک خطرے کے احساس سے بڑھ کر کوئی دوسرا ایشو نظر نہیں آتا۔ تعصبات کی وہ خلیج جو برطانوی حکمرانوں نے اپنے مفادات کی خاطر ان دو فرقوں کے درمیان حائل کی تھیں، ان کے مقاصد کے لیے بھی مفید ثابت ہوئی۔ اس خلیج کی وسعت بظاہر ان مفاد پرستوں کے حق میں ہے لیکن ملک و قوم کے لیے تباہ کن ہو سکتی ہے۔

اس مختصر تجزیے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہندو مسلم کشمکش اور تصادم کا بنیادی سبب ان کے تہذیبی اقدار کا فرق نہیں ہے جیسا کہ برطانوی دانشوروں نے



باور کرانے کی کوشش کی تھی۔ دراصل مفاد پرست عناصر اقتدار کی جنگ میں منافرت کے شعلوں کو ہوا دیکر اپنا مطلب حاصل کرتے ہیں۔

سماجیات داں اس امر پر متفق ہیں کہ اک رنگ گروہ کے مقابلے میں کثیر گروہی معاشرے کی زندگی بدرجہا بہتر ہوتی ہے۔ کیونکہ مختلف گروہوں کی انفرادیت اور سماجی شناخت باقی رکھتے ہوئے اگر عدل اور انصاف کی بنیاد پر ان میں توازن قائم کیا جائے اور کوئی ایک گروہ دوسرے گروہوں کو مغلوب کرنے کے درپے نہ ہو تو یہ امن اور ترقی کا ضامن ہوگا۔ لیکن سماجیات داں صرف مشورے ہی دے سکتے ہیں۔ ان اصولوں کو عملی جامہ پہنانا انکے بس میں نہیں ہے۔

---

# محمد فرید وجدی اور اُن کے افکار

از ڈاکٹر ابو سفیان اصلاحی۔ علی گڑھ۔

(۲)

۲۔ الاسلام دین عام خالد[۱]: یہ فرید وجدی کی دوسری اہم تصنیف ہے۔ اسکا موضوع یہ ہے کہ اسلام کے اصول و قوانین ہر طرح کے نقص و عیب سے پاک ہیں، وہ ساری دنیا کے لیے رحمت و ہدایت بن کر آیا ہے۔ اس میں تمام پیش آمدہ مسائل کا حل موجود ہے، انیسویں صدی میں علم و سائنس کی غیر معمولی ترقی کی وجہ سے بعض لوگوں نے ان سے اسلام کو مطابق بنانے کے لیے اس کی ہیئت ہی کو تبدیل کرنا چاہا گو اس طرح کے لوگوں میں بعض نیک نیت بھی تھے مگر فرید وجدی کا نقطۂ نظر اس کے برخلاف ہے جس کا اندازہ الاسلام دین عام خالد سے ہوتا ہے۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۹۳۲ء میں شایع ہوئی۔ ترکی فارسی اور اردو میں اس کے ترجمے ہوئے[۲]۔ فرید وجدی نے اس کتاب میں مستشرقین کے اعتراضات کے جواب بالواسطہ اور بلاواسطہ دیے ہیں۔ یہ کتاب اصلاً ان مقالات پر مشتمل ہے جو پہلے بعض مصری رسائل میں چھپے تھے۔ اس میں سترہ[۱۷] ابواب ہیں، اس کی قدر و قیمت کا اندازہ کرنے کے لیے کہیں کہیں سے کچھ اقتباسات دیے جاتے ہیں۔

فرید وجدی کے نزدیک مذہب ہر انسان کے تحت الشعور میں موجود ہے۔ اجوست سبانیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:



"میں کیوں مذہبی ہوں؟ ابھی اس سوال کو میرے ہونٹوں نے اٹھایا بھی نہ تھا کہ میرے قلبی واردات نے اس کا جواب اس طرح ادا کرنا شروع کیا۔ ہاں میں مذہبی ہوں کیونکہ لامذہب رہنا میرے لیے ممکن ہی نہیں، مذہب کا اقرار میری رگوں میں خون کی طرح رواں دواں ہے[۳]"

"شان الاسلام مع العلماء المتعمقین" میں فرید وجدی نے بتایا ہے کہ مذہب اسلام میں علماء کی روح کی تسکین اور گرمی کا سامان موجود ہے۔ ان کے احساسات و جذبات کو عرفان کی بلندیوں پر پہنچا دینے کی اس میں قوت ہے۔ وہ چاہتے ہوں تو انہیں فکر کے زندان سے نکال کر ان کی روح کو ملاء اعلیٰ کی روحانیت سے ملا دے اور چاہتے ہوں تو حجاب اور اسرار کے تمام پردے ایک ایک کر کے انکی آنکھوں سے اٹھا دے[۴]"

باب "اسلام عقل و علم کی حکومت کا اعلان کرتا ہے" میں اس کا ذکر ہے کہ اسلام میں عقل کا اعتبار کیا گیا ہے، فکر و نظر کی دعوت دی گئی ہے اور یقین و اذعان کی اہمیت بتائی گئی ہے۔

اس بحث کو بھی اس کتاب میں اٹھایا گیا ہے کہ اسلام ترقی کا مانع نہیں، بلکہ اسے فرض عین تصور کرتا ہے اور عقل کی آزادی کو اس کا بنیادی ستون قرار دیتا ہے[۵]۔ مگر فرید وجدی کے نزدیک "علم وہی ہے جس کا تعلق زندگی سے ہو۔ یعنی ارض و سما کی نشانیوں میں غور کرنا اور حقائق موجودات کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کرنا[۶]"

"اسلام فطری مباحات کو حرام نہیں ٹھہراتا" کے زیر عنوان بتایا گیا ہے کہ اسلام نے انسان کو کسی ایسی چیز کا مکلف نہیں بنایا ہے جس کا تحمل اس کے لیے دشوار ہو۔ یہی

وجہ ہے کہ جو لوگ محض عبادت کی خاطر معاشرہ سے کنارہ کش ہو کر رہبانیت کی زندگی بسر کرنے لگتے ہیں انہیں اسلام پسند نہیں کرتا۔ حضرت عمرؓ نے ایک نوجوان کو کوڑے مارنے کا حکم دیا جو مسجد میں معتکف ہو کر جد و جہد اور اجتماعی زندگی سے دستکش ہو گیا تھا[7] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "تم مذہب میں غلو مت کرو، تم سے پہلے کے لوگ محض اسی لیے ہلاک ہو گئے۔"

ایک باب میں فرید وجدی نے علم کے معاملہ میں اسلام اور مسلمانوں کی بے تعصبی دکھائی ہے اسی لیے عربوں نے علمی تحقیقات میں یونان و روم سے استفادہ کیا اور مامون اور دوسرے خلفا کے زمانے میں دوسری زبانوں اور مذاہب کی کتابوں کے ترجمے ہوئے[8]

انھوں نے اس کی بھی وضاحت کی ہے کہ اسلام کے اثرات پوری دنیا پر پڑے اور اور اس کی دولت سے آبی و خاکی کوئی بھی محروم نہیں رہا۔ خود یورپ جو آج علم و فن میں ساری دنیا میں ممتاز سمجھا جاتا ہے، اٹھارہویں صدی تک علم و اختراع کے معاملہ میں مسلمانوں اور عربوں کا ممنون رہا ہے[9]

زید وجدی نے اس کتاب میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اسلام کا پہلا اصول یہ ہے کہ وہ عقل و علم کا داعی ہے، وہ ترقی کا حامی اور رجعت پسندی کا منکر ہے۔ وہ تحقیق و اکتشاف، ارتقا و اختراع کو پسند کرتا ہے اور وہ زمان و مکان کے قیود سے مبرا ہے۔ اس کے فلسفۂ دین میں لچک ہے اور وہ مابعد الطبیعاتی حقائق سے بھی بحث کرتا ہے۔

کتاب کے آخر میں اسلام کے بارے میں ایک امریکن اسکالر کی کتاب "مسائل فی الدین" سے شکوک و شبہات نقل کر کے ان کا جواب دیا ہے، اس سلسلہ میں مندرجۂ ذیل



امور پر قرآن و حدیث کی روشنی میں گفتگو کی ہے۔

(۱) کیا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم معاذ اللہ اعصابی مرض میں گرفتار تھے۔ (۲) کیا وحی آپؐ کی ذہنی اختراع تھی؟ (۳) کیا آپؐ بے رحم اور قسی القلب تھے۔ (۴) کیا اسلام جنگ و خوں ریزی کا مذہب ہے اور وہ رحم و مروت سے خالی ہے۔ (۵) کیا اسلام نوعِ انسانی کی ترقی کا ضامن نہیں۔ (۶) کیا اسلام نے غلامی، تعدادِ ازدواج اور طلاق جیسے مسائل کو اٹھا کر نوعِ انسانی کو مضرت پہنچائی؟ (۷) کیا اسلام نے صدقہ و خیرات کی ترغیب وتلقین کر کے معاشرے میں اپاہجوں اور مفت خوروں کی حوصلہ افزائی کی ہے یا فقر و فاقہ کا سدباب کیا ہے۔ (۸) کیا قرآن کریم ان روحانی مشاہدات سے بھرا ہوا ہے جو بعید از عقل ہیں[10] زید وجدی نے معروضی انداز میں ان تمام اعتراضات کا عالمانہ اور سنجیدہ جواب دیکر بتایا ہے کہ یہ محض تعصب پر مبنی ہیں۔

المرأة المسلمة: محمد قاسم امین نے "تحریر المرأة"[11] اور "المرأة الجدیدة"[12] کے نام سے دو کتابیں لکھیں جن کی تردید میں اسلامی حمیت رکھنے والے جن اہلِ قلم نے کتابیں لکھیں ان میں بعض نے انتہا پسندی کی وجہ سے قاسم امین کی بعض مفید اور قابلِ غور باتوں کو بھی نظر انداز کر دیا ہے۔ فرید وجدی کی زیر نظر کتاب بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہے جس میں مدلل انداز میں قاسم امین کے اس خیال کی تردید کی گئی ہے کہ عورتیں مردوں کے بالکل مساوی ہیں اور وہ زندگی کے تمام شعبوں میں ان کے شانہ بشانہ جدو جہد کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ زید وجدی کی کتاب دوسری کتابوں کے مقابلہ میں زیادہ جامع ہے۔ اسی لیے مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے مولانا شبلیؒ کی ادارت میں نکلنے والے الندوہ میں اس کا آزاد ترجمہ کیا تھا جو بعد میں کتابی صورت میں بھی چھپا۔ یہ کتاب ایک مقدمہ اور تیرہ[13] ابواب پر مشتمل ہے۔

پہلے باب میں فرید وجدی نے بتایا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے عورت کو انسانی نسل کی افزائش کا وسیلہ بنایا ہے اسی لیے اس کو ان صفات سے متصف کیا ہے جو بچوں کی پرورش اور نگہداشت کے لیے ضروری ہیں۔ اس کی اس ذمہ داری کے پیشِ نظر قدرت نے اس کی جسمانی ساخت مردوں سے مختلف بنائی ہے[13]

دوسرے باب میں عورتوں کی زندگی میں پیش آنے والے اِن چار ناگزیر مراحل کا ذکر ہے حمل، وضع، رضاعت اور تربیتِ اولاد۔ ان اہم اور دشوار گزار مراحل میں ادنیٰ بے احتیاطی سے سنگین مسائل رونما ہوتے ہیں، اسی لیے حکماء و اطباء نے بھی ان کے سلسلے میں مکمل احتیاط پر زور دیا ہے۔ فرید وجدی کے خیال میں ان چاروں اہم ذمہ داریوں کے ساتھ عورت کے لیے معاشرتی اور تمدنی تگ و دو میں شامل ہونا ممکن نہیں ہو سکے گا[14]

تیسرے باب میں یہ مسئلہ زیرِ بحث آیا ہے کہ کیا جسمانی اور عقلی اعتبار سے مرد و عورت برابر ہیں، یورپ نے دونوں کو ایک ہی سطح پر کھڑا کر دیا ہے۔ جس کے تتبع میں بعض اہلِ مشرق بھی اس کے قائل ہو گئے ہیں، مگر فرید وجدی نے خود یورپ ہی کے متعدد حکماء و فلاسفہ کے اقوال نقل کر کے اس کی تردید کی ہے اور بتایا ہے کہ "مرد جسمانی اعتبار سے عورت سے بہت قوی ہے" انھوں نے علم النفس کے ماہرین کے تجربے نقل کر کے بھی اسی امر کو ثابت کیا ہے[15]

چوتھے باب میں بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ جس قسم کی آزادی عورتوں کو دلانا چاہتے ہیں، اسلام میں اس کی گنجایش نہیں ہے کیونکہ خود یورپین علما نے بھی اس نوع کی آزادی کی مخالفت کی ہے، اس بنا پر علمائے اسلام کا فرض ہے کہ وہ آزادیٔ نسواں کے مطالبہ کی مخالفت کریں کیونکہ اس میں عورتوں کی ذلت و رسوائی اور بدبختی ہے، علاوہ ازیں یہ فطرت و حکمت الٰہی کے بھی بالکل منافی ہے[16]

پانچویں باب کا حاصل یہ ہے کہ عورتیں اپنی اصل ذمہ داری کو انجام دینے کی صورت میں مردوں کے کاموں کو انجام دینے یا خارجی امور میں حصہ لینے سے قاصر و معذور ہیں[17]

چھٹے باب میں فرید وجدی نے اس پر زور دیا ہے کہ تمام مخلوقات کے اعضاء و جوارح اللہ تعالیٰ نے ایک خاص ترکیب اور حکمت سے اس لیے بنائے ہیں کہ وہ اپنی ضروریات سے عہدہ برآ ہو سکیں۔ عورتوں کی تخلیق میں بھی اسی کی رعایت کی گئی ہے۔ اب اگر وہ اپنے اصلی کاموں کو انجام نہ دیں تو یہ فطرت سے انحراف اور بغاوت ہو گی جس کا نتیجہ تباہی و بربادی ہے، لیکن افسوس ہے کہ آج دنیا میں عورتوں کو ان کی طبیعت و مزاج اور فطرت کے خلاف کاموں کے لیے مجبور کیا جا رہا ہے۔ فرید وجدی عورتوں کے مردوں کے میدان میں داخل ہونے کو معاشرتی اقدار کی پامالی اور طبعی قوانین کی خلاف ورزی بتاتے ہیں[18]

انھوں نے پردہ کے سلسلے میں بتایا ہے کہ مردوں پر چونکہ عورتوں کی کفالت کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اس کا اقتضا یہ ہے مرد عورت سے پردہ کرائے اور عورت بغیر مرد کی اجازت کے پردہ نہ اتارے[19] عورتوں کی آزادی اور بے پردگی کو وہ معاشرتی بے راہ روی بتاتے ہیں جس کو مرد کی غیرت و حمیت عرصہ تک برداشت نہیں کر سکتی۔ علاوہ ازیں اس کا انجام تباہی و بربادی ہو گا جس کی مثال دیتے ہوئے فرید وجدی نے رومن امپائر کی شکست و ریخت کا ذکر کیا ہے[20] وہ عورتوں کی آزادی و بے پردگی کو عیاشی اور فضول خرچی کا باعث بھی بتاتے ہیں جس کا انجام فقر و افلاس اور زوال و انحطاط ہے۔ پردہ کو وہ قید و بندش کے بجائے عورتوں کی عفت و پاکدامنی کے تحفظ اور ان کی سعادت کی ضمانت قرار دیتے ہیں[21] فرید وجدی نے پردہ کے بعض اہم فوائد بھی بتائے ہیں اور اس کے

مخالفین نے اس کے جو نقصانات بتائے ہیں ان کا تشفی بخش جواب دیا ہے۔ انھوں نے یہ بحث بھی اٹھائی ہے کہ مادیت اور الحاد کی یلغار کے نتیجہ میں ممکن ہے پردہ کا بالکل ہی خاتمہ ہو جائے لیکن اس کے باعث مختلف قسم کے امراض پیدا ہوں گے اور بالآخر ایک وقت آئے گا کہ لوگ پردہ کی اہمیت کو مان کر اسلام کے سایۂ رحمت میں رہنے ہی کو پسند کریں گے۔

گو فرید وجدی نے اس کتاب میں یہ اور اسی قسم کے بعض مفید خیالات پیش کیے ہیں، مگر ان کی کتاب میں بعض مباحث کا تکرار ہے، علاوہ ازیں عورتوں کی تعلیم کے مسئلہ پر بھی انھوں نے وضاحت کے ساتھ روشنی نہیں ڈالی ہے۔

الاسلام فی عصر العلم : اسلامی علوم کی طرح جدید علوم خصوصاً حکمت وفلسفہ پر بھی فرید وجدی کی اچھی نظر تھی۔ انھوں نے اپنی اس کتاب میں بتایا ہے کہ دین اسلام کی عظمت واہمیت آج بھی اسی طرح برقرار ہے جس طرح چودہ (۱۴۰۰) سو سال پہلے تھی، جدید علوم اور سائنس کی ترقی نے بھی اسلام کی عظمت وصداقت پر مہر تصدیق ثبت کردی ہے، یہ سمجھنا غلط ہے کہ اسلام جدید علوم کا مخالف ہے اس ضمن میں فرید وجدی نے فلاسفہ کی طرف سے اسلام پر کیے گئے بہت سے اعتراضات کے مدلل جوابات دیے ہیں۔

الاسلام فی عصر العلم : دو جلدوں پر مشتمل ہے اور یہ مصنف کے عہد شباب کی تصنیف ہے، اس کے متعلق ان کا خود یہ بیان ہے کہ اس میں فلسفۂ روحانی اور مذہب اسلام کا سچا خاکہ پیش کیا گیا ہے، اسے انھوں نے ان نوجوانوں کے لیے لکھا تھا جو جدید فلسفہ کی رعنائیوں میں گم ہو کر اسی کو نوع انسانی کی ترقی کا راستہ تصور کرتے ہیں، فرید وجدی کہتے ہیں کہ موجودہ دور میں جب کہ سائنس کی ترقی نے تمام ادیان کی بنیادیں



متزلزل کردی ہیں صرف اسلام ہی وہ دین ہے جس کی بنیادوں کو کوئی چیز ہلا نہیں سکتی۔

الاسلام فی عصر العلم کی پہلی جلد چار اجزاء پر مشتمل ہے۔ پہلا جزء بنی نوع انسانی کی ماہیت پر مبنی ہے، دوسرے میں تہذیب وتمدن پر اظہار خیال کیا گیا ہے، تیسرے میں مابعد الطبیعیات پر روشنی ڈالی گئی ہے اور چوتھے میں خاتم النبیینؐ کی حیات مبارک کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔

فرید وجدی نے مختلف حیثیتوں سے انسان کا مطالعہ کیا ہے، ان کے نزدیک یہ نہایت پیچیدہ موضوع ہے، کائنات اور اشیائے کائنات کا جاننا اتنا دشوار نہیں جتنا انسان کے حقائق واسرار کا پتہ لگانا دشوار ترین ہے۔[۳۲]

انھوں نے انسان کی حقیقت وماہیت، مادہ کے وجود ودوام اور انسان کے وجود بالحدوث والعدم وغیرہ مختلف امور پر بحث کی ہے اور اس بارے میں حکما کا نقطۂ نظر بھی پیش کیا ہے، آخر میں سعادت وشقاوت اور فضائل ورذائل پر بحث کی ہے کہ انسان کو سعادت کیسے نصیب ہو سکتی ہے؟ ان کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے وابستگی ہی انسان کو عظمت ورفعت عطا کرسکتی ہے، اسی حقیقت کو قرآن مجید میں مختلف انداز سے بیان کیا گیا ہے۔

إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ (الانسان ۷۶/۳) ہم نے انسان کو راستہ دکھا دیا۔

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ (العنکبوت: ۲۹/۶۹)

جو لوگ ہماری خاطر مجاہدہ کریں گے۔ انہیں ہم اپنے راستے دکھائیں گے اور یقیناً اللہ نیکو کاروں کے ہی ساتھ ہے۔

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي بے شک یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو

هِیَ اَقْوَمُ (الاسراء : ۱۷/۹) پاک سیدھی ہے۔

اس بحث کے بعد تہذیب و تمدن (مدنیت) پر بحث کی گئی ہے، عام طور سے یورپ کی ظاہری چمک دمک اور ان کے عادات و رسومات کو اصل مدنیت قرار دیا جاتا ہے لیکن درحقیقت یہ ایک بلند و بالا روحانی شئے ہے جو صالح مومنین ہی کو حاصل ہوتی ہے، گو مسلمان اس سے اپنی موجودہ حالت کی بنا پر محروم ہو گئے ہیں۔ تاہم انہیں مایوس اور رحمتِ حق سے ناامید نہیں ہونا چاہیے۔

کتاب کے تیسرے باب میں بتایا گیا ہے کہ اس وقت دنیا میں جو تاریکی پھیلی ہوئی ہے اس سے نجات صرف اسلام ہی دے سکتا ہے اور اسلام کی فہم و معرفت کے لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا رشتہ استوار کرنا پڑے گا، اس سلسلہ میں بعثت کے زمانے کے حالات بیان کر کے دکھایا ہے کہ کس طرح آپؐ کے فیضان سے انسانیت کا مقدر جگمگا اٹھا تھا۔[۲۲] چوتھے باب میں مابعد الطبیعیاتی امور زیر بحث آئے ہیں۔ اس کتاب کی دوسری جلد ۸۴ ابواب پر مشتمل ہے۔ جن میں حسب ذیل تین[۲۳] طبقوں کا ذکر ہے۔

(۱) منکرین (۲) مذبذبین و متشککین (۳) مومنین۔

اس منفرد نوعیت کی کتاب کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ مطالعہ کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ اس کے پہلے باب میں ابتدا سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک انسان کی سرگزشت بیان کی گئی ہے۔ "العلم عند المسلمین" اس کتاب کا اہم باب ہے۔ اس میں اسلام میں علم کی اہمیت اور تعلیم کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حوصلہ افزائی کا ذکر کرنے کے بعد مسلمانوں کے علمی کارنامے بتائے ہیں اور ہیئت، کیمیا، ریاضی اور طبیعیات وغیرہ میں ان کی خدمات دکھائی ہیں، اس کے بعد توحید کی حقیقت اور اہمیت



پر گفتگو کی ہے۔ اس کتاب کا ایک اور اہم باب "الولایۃ والکرامۃ والوسیلۃ والشفاعۃ" ہے۔ فرید وجدی نے ان سب کی نوعیت و حقیقت پر اپنے خاص انداز میں اچھی بحث کی ہے۔ جن کو اصل کتاب میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

آخر میں انھوں نے پوری کتاب کے مباحث کا خلاصہ دیا ہے، کتاب کا خاتمہ متفرق مقالات پر ہوا ہے۔ جن کے بعد ایک ضمیمہ بھی ہے اس میں کتاب کے بعض دقیق اور پیچیدہ فلسفیانہ مباحث کی توضیح کر کے انہیں آسان اور عام فہم بنا دیا گیا ہے (باقی)

## حواشی

۱؎ افسوس ہے کہ اصل عربی کتاب ہم کو دستیاب نہیں ہو سکی، بعد میں پتہ چلا کہ یہ دار المصنفین میں موجود ہے اس لیے اس کے مباحث کی ترجمانی اردو ترجمہ ہی سے کی گئی ہے۔ جو سید احمد حسن نقوی صاحب نے اسلام کے عالمگیر اصول کے نام سے کیا تھا ۲؎ اسلام کے عالمگیر اصول۔ بار اول ۱۹۴۲ء حیدرآباد۔ ص ۹-۱۰ ۳؎ ایضاً ص ۲۰ ۴؎ ایضاً ص ۳۶-۳۷ ۵؎ ایضاً ص ۶۰ ۶؎ ایضاً ص ۶۳-۶۴ ۷؎ ایضاً ص ۶۸-۶۹ ۸؎ تفصیل کے لیے دیکھیے اسلام کے عالمگیر اصول ص ۷۹-۸۰ ۹؎ وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو ص ۱۴۰-۱۴۳ ۱۰؎ وضاحت کے لیے دیکھیے ص ۱۸۹-۲۶۲ ۱۱؎ اس کتاب میں قاسم امین نے عورتوں کی آزادی سے بحث کی ہے ۱۲؎ اس میں انھوں نے دورِ جدید کی عورتوں کا موازنہ مشرقی عورتوں سے کر کے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ مشرقی عورتوں کو آج کے دور میں کن خطوط پر چلنا ضروری ہے ۱۳؎ فرید وجدی۔ المرأۃ المسلمۃ۔ الطبعۃ الاولیٰ۔ مطبعۃ الترقی، مصر سنہ ۱۹۰۱ء ص ۱۲-۲۱ ۱۴؎ ایضاً ص ۳۰ ۱۵؎ المرأۃ المسلمۃ صفحات ۳۰ تا ۳۵ ۱۶؎ ایضاً ص ۵۲-۵۳ ۱۷؎ ۶۹ و ۷۰ ۱۸؎ دیکھیے ص ۷۰-۹۱ ۱۹؎ ایضاً ص ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱ ۲۰؎ ایضاً ص ۱۱۱-۱۲۰ ۲۱؎ ایضاً ص ۱۲۱-۱۲۴ ۲۲؎ ایضاً ص ۱۳۶-۱۳۸، ۱۴۶ ۲۳؎ فرید وجدی، الاسلام فی عصر العلم مصر ۱۹۳۲ء ۱/۷ ۲۴؎ ایضاً ۱/۲۴-۲۶۔

# قطب العالم سیّد برہان الدین ابو محمد عبداللہ بخاری

از مولانا محمد یوسف متالا۔ لندن

**خاندانی حالات** | سید برہان الدین ابو محمد عبداللہ بخاری قطب العالم کے لقب سے مشہور ہیں۔ ان کے والد کا نام سید ناصر الدین اور دادا کا سیّد الاقطاب مخدوم جہانیاں تھا۔ اکا نسبی سلسلہ سید جعفر ثانی تک منتہی ہوتا ہے جو حضرت امام حسن عسکری کے بھائی ہیں۔ یہ ۷۹۰ھ/۱۳۸۸ء میں ۱۴ رجب دوشنبہ کی رات کو صبح کے قریب پیدا ہوئے۔ دس سال کی عمر میں والد صاحب کا انتقال ہوگیا اور شاہ راجو قتال جو والد محترم کے چچا تھے کفیل بنے اور انھوں نے تربیت کی اور دو سال میں مرتبہ ہدایت تک پہنچا کر فرمایا کہ گجرات والوں کی رشد و ہدایت کا کام آپ کو سپرد کیا گیا ہے۔ اس لئے وہاں تشریف لے جائیں۔

**گجرات کا سفر** | چنانچہ یہ اپنی والدہ بی بی ہاجرہ عرف سعادت خاتون کے ساتھ ۸۰۲ھ میں پٹن تشریف لائے۔ سید راجو قتال کے مشورہ سے وہ شیخ رکن الدین کی خدمت میں رہے اور ظاہر و باطن کی اصلاح میں مشغول ہوئے۔ احمد آباد کے سلطان مظفر چونکہ سید الاقطاب مخدوم جہانیان جہاں گشت کے مرید تھے اس لئے جب انھوں نے یہ سنا تو صاحبزادے کا خاطر خواہ استقبال کیا۔ پٹن میں اس وقت خواجہ فرید الدین گنج شکر کے نواسے شیخ رکن الدین کی خانقاہ تھی ان سے باطنی ترقیات حاصل کیں۔ اور ظاہری علوم مولانا شبیر علی سے حاصل کئے۔ جن کا اس زمانہ میں پٹن میں مدرسہ مشہور تھا۔



**وفات** | قطب العالم ۶۸ سال کی عمر میں ۸۵۷ھ میں انتقال کر گئے۔ تاریخ انتقال ۸ ذی الحجہ ہے۔ جو مطلع "یوم الترویجہ" سے نکلتی ہے۔ اور احمد آباد کے موضع بٹوہ میں دفن کئے گئے۔

**بعض مشائخ سے ملاقات** | پٹن میں قطب العالم شیخ رکن الدین کے مہمان ہوئے جو بابا فرید الدین شکر گنج کے نواسے تھے۔ انھوں نے بہت خاطر مدارات کی۔ سید شرف الدین مشہدی کو جو بھروچ میں رہتے تھے جب ان کے پٹن میں قیام کا علم ہوا تو وہ انسے ملنے کیلئے پٹن روانہ ہوئے۔ راستہ میں پہلے احمد آباد رکے پھر سرکھیج شیخ احمد کھٹو کی خدمت میں پہونچے پھر پٹن پہونچ کر قطب عالم سے ملاقات کی۔ قطب العالم کی عمر تقریباً چودہ سال تھی کہ سید گیسو دراز دکن سے گجرات تشریف لائے اور جب ان سے ملاقات کی اور ان کے اندر قطبیت کے آثار دیکھے تو بڑے خوش ہوئے اور فرمایا کہ

"میرے بزرگوں سے جو فیض مجھے کو ملا ہے وہ میں آپ کو بطور تحفہ دینا چاہتا ہوں۔"

**نکاح** | حضرت قطب عالم کا پہلا نکاح بادشاہ وقت کی صاحبزادی سے ہوا پھر دوسرا بادشاہ کے وزیر امین الدین خداوند خاں کی صاحبزادی سے ہوا۔ ان دو کے علاوہ ایک اور خاتون سے بھی ان کا نکاح ہوا تھا۔

**سلاطین سے تعلقات** | سلطان مظفر شاہ ان کے دادا حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے مرید تھے۔ قطب عالم جب گجرات میں رونق افروز ہوئے اور پٹن میں قیام فرمایا تو مظفر شاہ حضرت کو خراج عقیدت پیش کرنے کیلئے حاضر خدمت ہوئے اور آخر تک عقیدتمند رہے پھر سلطان احمد شاہ بہت معتقد رہے۔ ان کے بعد سلطان قطب الدین تخت نشین ہوئے تو وہ بھی حضرت کے مرید ہوئے۔

---

[1] خاتمہ مرآت احمدی ص ۲۶

**اوصاف وکمالات** | قطب العالم زہد، توکل اور قناعت کی دولت سے مالا مال تھے۔ اکثر ریاضت و مجاہدے میں وقت گذارتے۔ جود وسخاوت میں مشہور تھے۔ شریعت وحقیقت وطریقت میں کامل تھے۔ ان کی عمر نو سال تھی کہ ایک دن خیال آیا کہ اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ملا ہوتا تو قدمبوسی کا شرف حاصل کرتا۔ اسی رات کو سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر سر رکھ دیا۔[1]

**کرامات** | قطب العالم کی کرامات بے شمار بتائی جاتی ہیں۔ ایک دن علی الصباح گھر سے مسجد تشریف لے جارہے تھے کہ اچانک ان کے پیر سے کوئی چیز ٹکرا گئی بے ساختہ زبان سے نکلا کہ "یہ پتھر ہے یا لوہا ہے یا لکڑ ہے"۔ اللہ تعالیٰ نے یہ تینوں صفتیں اس چیز میں پیدا کر دیں۔ کبھی پتھر نظر آتا ہے کبھی لوہا اور کبھی لکڑی۔[2] مرآۃ احمدی کی عبارت ہے "قضارا پائے ایشاں بہ آنجوب خورد افتاد چنانچہ مجروح گشت وخون آلود گردید بر زبان مبارک گذشت کیا ہے لوہا ہے لکڑی ہے کہ پتھر ہے"۔ شہنشاہ ہمایوں نے اس یادگار کو دیکھا اور اکبر بھی جب احمد آباد آیا تو متبرک یادگار کو دیکھا اور اسکا آدھا حصہ آگرہ لے گیا۔[3]

**قطب العالم کی زبان** | تحفۃ الکرام، اخبار الاخیار، اور دوسری کتابوں میں حضرت قطب عالم[4] کے حالات کے ضمن میں ہندی ملفوظات بھی دیکھنے میں آتے ہیں۔ جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ بزرگ موصوف نے مقامی زبان کو استعمال کیا ہے۔ لیکن اس میں پنجابی عنصر زیادہ ہے۔ جس کی وجہ شاید یہ ہے کہ حضرت قطب عالم کی پیدائش اوچ شریف کی ہے اور ان کی

---

[1] تاریخ صوفیائے گجرات ص ۳۵۱ ۔ [2] گلزار ابرار ص ۱۴۷ ، [3] مرآۃ سکندری۔
اخبار الاخیار ص ۲۲۹ ۔ تذکرہ قطریان ہند ص ۱۳۴ ، تذکرہ اولیائے پاک وہند ص ۱۹۱ ، ۳۲



ابتدائی پرورش پنجاب ہی میں ہوئی۔

**احمد آباد کیلئے دعا** | سلطان احمد شاہ نے احمد آباد تعمیر کیا تو ان سے اس میں قیام کی درخواست کی جب یہ احمد آباد تشریف لائے تو سلطان نے قصیدہ لکھا اور خدمت میں حاضر ہو کر شعراء کی طرح خود کھڑے ہو کر اسے پڑھا جس کا مطلع یہ ہے۔

قطب نہانہ ما برہان نبی است مارا	برہان او ہمیشہ چوں نامش آشکارا

قصیدہ سنانے کے بعد سلطان نے دعا کی درخواست کی تو قطب العالم نے فرمایا کہ آپ کے خاندان کیلئے ہمارے جد امجد مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے دعا کی ہے۔ سلطان نے عرض کیا کہ انھوں نے ہمارے جد امجد سلطان مظفر کی اولاد کیلئے سلطنت کی دعا کی ہے۔ آپ شہر کی آبادی اور قبولیت کیلئے دعا فرمائیں۔ اس پر فرمایا "احمد آباد ابد الاباد انشاء اللہ الرؤف بالعباد"۔

قطب العالم نے پرانے اساول میں سابرمتی کے کنارے سکونت اختیار کی اور وہاں ایک مسجد تعمیر کی یہاں شیخ احمد کھٹو سے بھی روحانی تربیت اور خلافت پائی پھر وہ موضع بٹوہ میں مقیم ہوئے جہاں سلطان نے رہائش وغیرہ کے تمام انتظامات کر دیئے تھے۔

**نسبی ومعنوی اولاد** | قطب العالم کے بارہ ۱۲ صاحبزادے اور سترہ ۱۷ صاحبزادیاں تھیں اکثر صاحبزادگان نے ان سے بیعت وخلافت بھی حاصل کی جس کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

ا۔ سید محمود بن قطب العالم یہ قطب عالم کے صاحبزادے تھے جن کا عرف شاہ بدانجار ہے ۸۰۹ھ میں ۲۳ رمضان المبارک کو پٹن میں پیدا ہوئے۔ والدہ محترمہ کا اسم گرامی بی بی سلطان خاتون بنت خداوند خاں ہے۔ یہ قطب العالم کے مرید تھے۔ جن کو ان سے اجازت وخلافت ملی تھی اور قطب العالم کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ سید راجو قتال نے بھی ان کے نام خلافت نامہ اُچ شریف سے ارسال کیا تھا[1] ۸۴۴ھ میں یکم ذوالقعدہ

---

خاتمہ مرات احمدی ص ۲۱

کو بٹوہ میں انتقال فرمایا اور قطب العالم کے قریب دفن کئے گئے۔ ان کے پانچ صاحبزادے تھے۔ شاہ پیارن، سید ذاکر محمد، سید شیر محمد، سید جلال الدین جنکو شاہ شیخ جیو کہتے تھے اور شاہ عتیق اللہ۔ شیخ جیو اگرچہ ان کے چھوٹے فرزند تھے لیکن کمالاتِ صوری و معنوی میں سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ ان کی ولادت باسعادت اساول میں ہوئی۔

چوتھے فرزند شاہ حامد بھی قطب العالم کے مرید اور خلیفہ تھے۔

پانچویں فرزند سید صالح بھی قطب العالم کے مرید اور خلیفہ تھے۔ انکے عجیب واقعات مشہور ہیں

چھٹے شاہ امین اللہ بھی قطب العالم کے مرید اور خلیفہ تھے۔ انہیں دفن کرکے لوگ واپس آئے تو رات سید محمد زاہد نے خواب دیکھا کہ یہ فرماتے ہیں کہ میری ایک انگلی صندوق کے تختے کے نیچے دبی ہوئی ہے اسکو نکلوا دیجئے خواب سمجھ کر اعتبار نہیں کیا گیا۔ تین دن مسلسل خواب کے بعد جب قبر کو کھولا گیا تو دیکھا واقعی پیر کی انگلی تختے کے نیچے پھنسی ہوئی ہے۔ اور اس سے خون بہہ رہا ہے۔ چنانچہ اسے درست کرکے انھیں دوبارہ دفن کیا گیا۔

ساتویں صاحبزادے سید محمد زاہد تھے۔

آٹھویں سید محمد اصغر جو شاہ شیخ محمد کے نام سے مشہور تھے۔ انھوں نے سلوک کے مراحل اپنے بڑے بھائی سید ناصر الدین سے طے کئے۔

نویں سید محمد صادق انھوں نے بھی بڑے بھائی سے ارشاد و تربیت پائی۔ اور چھبیس سال کی عمر میں جوانی میں انتقال کیا۔



دسویں فرزند سید محمد راجو حضرت قطب العالم کے مرید اور خلیفہ تھے۔ انھیں حضرت قطب العالم نے بارہ[۱۲] صاحبزادوں کی بشارت دی جو پوری ہوئی۔ انکی قبر محمد آباد معروف بہ چاپانیر میں واقع ہے۔

گیارھویں شاہ سالم قطب العالم کے مرید تھے لیکن خلافت اپنے بڑے بھائی سے پائی۔ اہل سماع میں سے تھے۔ بعض دفعہ تین چار روز تک حال طاری رہتا۔ کھانا پینا متروک ہو جاتا۔ یہ بھی قطب العالم کے قریب مدفون ہیں۔

بارھویں سید علم ہیں جو ایام شیر خوارگی میں انتقال کر گئے۔

قطب العالم کے خلفاء میں سید عثمان جو شمع برہانی کے لقب سے معروف ہیں۔ خلیفہ خاص اور متبنّٰی تھے۔ اس علاقے کے مشائخ کبار سے صغر سنی میں مرید ہوئے اسکے بعد قطب العالم کی خدمت کیلئے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ اور ان کی صحبت میں رہ کر بلند مقامات اور سلوک کی منازل طے کیں۔ جب ان کی طرف خلائق کا رجوع ہوا تو حضرت قطب عالم کے ارشاد سے بہار الدین پور منتقل ہو گئے اور وہاں بھی طلباء، علماء، امراء، سلاطین کا اس قدر ہجوم ہوا کہ تنگی ہونے لگی۔ تو وہاں سے اس جگہ منتقل ہو گئے جو عثمان پور کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں پہلے وہ تنہا ہی تھے مگر بعد میں آبادی اتنی بڑھی کہ ایک پورہ آباد ہو گیا۔ ان سے متعدد تصانیف یادگار ہیں۔ جن میں سے مدارج المعارج مشہور ہے۔ کبھی ذوق و شوق کے عالم میں غزل بھی کہتے تھے۔ ایک غزل کا مطلع یہ ہے ؎

عرش فرشیست کہ در خلوت درویشان است
رنج گنجیست کہ ہم صحبت درویشان است[۱]

دوسرے خلیفہ شیخ علی جو خطیب کے لقب سے مشہور ہیں صغرسنی ہی سے بڑے
پاکباز اور زاہد ومرتاض تھے۔ جب ان کی عمر بارہ سال ہوئی تو عبادت واطاعت میں
مصروف ہوئے۔ مشغولی اس قدر بڑھی کہ کھانا پینا ترک کرکے صحرا میں رہنے لگے۔
وہاں پر روزہ بھی گھاس پات ہی سے افطار ہوتا۔ مسلسل بارہ ۱۲ سال اسی طرح مجاہدے
میں گذارے اور صفائی باطن میں اس درجہ ترقی کی کہ ملائکہ کی تسبیح وتہلیل سنتے تھے۔
پانچوں نمازیں سابرمتی کے کنارے ادا فرماتے تھے۔ نماز کو جاتے ہوئے ایک مجذوب
ملا جو رستہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کہا کہ "علی مسلمان شو"۔ آیندہ بھی یہ اسکا معمول
بن گیا تھا کہ جب یہ گذرتے تو مجذوب وہی جملہ کہتا۔ ایک دفعہ جب یہ تشریف لے جارہے تھے
تو وہ راستہ میں پکا ہوا کھانا لوگوں کو تقسیم کررہا تھا۔ انھیں دیکھ کر ان کی طرف دوڑا اور
زمین پر گراکر ان کے سینے پر چڑھ کر دو تین لقمے زبردستی ان کے منھ میں ڈالے اور شمع
برہانی کو دو تین کے بھی مارے اسکے بعد چھوڑ دیا اور وہی جملہ کہا کہ "علی مسلمان شو"
مجذوب کی ضرب کی وجہ سے ان پر بے ہوشی طاری ہوگئی تھی جب ہوش میں آئے
تب "علی مسلمان شو" کے معنی ان پر واضح ہوئے یعنی مجذوب یہ کہتا ہے کہ کہیں
جاکر کسی کا مرید ہونا چاہیئے۔ اس وقت حضرت قطب العالم اور حضرت گنج بخش رح
بقید حیات تھے۔ حضرت قطب عالم کے یہاں سماع بھی ہوتا تھا۔ اسلئے وہ گنج بخش رح
کی خدمت میں پہنچنے کیلئے بیل پر سوار ہوکر سرکھیج کی طرف چلے جب سابرمتی کے
کنارے پر پہنچے تو بیل رک گئے۔ ایک قدم آگے بڑھانے کیلئے تیار نہیں۔ اس
دوران ایک غیبی ہاتھ نمودار ہوا اور شیخ کی گدی پر پنجہ مارا اور گریبان کھینچا۔ جسکی وجہ
سے شیخ کے کپڑوں پر پانچ انگلیوں کا نشان شوربے کیساتھ کپڑوں پر پڑگیا۔



شیخ نے ساتھیوں سے کہا کہ کوئی مجھے پیچھے کھینچ رہا ہے بیلوں کو اپنے حال پر چھوڑ دو جہاں
وہ جائیں گے وہی ہماری منزل ہے۔ بیل پرانے اساول کی طرف چلنے لگے۔ جہاں حضرت
قطب عالم کا قیام تھا۔ وہاں پہنچ کر حضرت قطب عالم نے دیکھتے ہی ارشاد فرمایا کہ
پہلے خلافت پھر اسکے بعد ارادت یعنی پہلے تم کو خلافت دی جاتی ہے اسکے بعد
مرید کریں گے۔ نیز ارشاد فرمایا کہ چراغ تیل اور بتی سب تیار کرکے لائے ہو کوئی اسکو روشن
کردے۔ چنانچہ خلافت مرحمت فرمائی اسکے بعد مرید کیا۔ اسکے بعد حضرت قطب عالم
نے ان کیلئے جو کھانا رکھوایا تھا وہ مرحمت فرمایا۔ شیخ علی نے ابھی دو تین لقمے
بھی نہ کھائے تھے کہ جوش محبت اور ذوق وشوق کا غلبہ ہوا اور زار وقطار رونا اور نعرہ
لگانا شروع کردیا۔ اسکے بعد کچھ لوگ جو بیعت کیلئے قطب عالم کے پاس پہنچے ہوئے
تھے قطب عالم نے شیخ علی سے فرمایا کہ ان کو بیعت کیجئے۔ چنانچہ قطب عالم کے
سامنے انھوں نے ان کو بیعت کیا۔ اسکے بعد قطب عالم نے شمع برہانی کو ارشاد خلق
کیلئے رخصت کردیا۔ شمع برہانی کا مزار قدنپور یا مدنپور میں واقع ہے۔ قدنپور اور قطب پور
اس وقت دو پورے تھے۔ ۱؎

میر سوز | قطب عالم کے نسبی سلسلہ سے ہندوستان کے مشہور شاعر سوز
بھی ہیں ان کا سلسلہ نسب حضرت قطب عالم گجراتی قدس سرہ تک پہنچتا ہے۔ نام سید محمد
میر اور سوز تخلص ہے پہلے میر تخلص کرتے تھے۔ لیکن جب دیکھا کہ میر تقی میر کا نام
زیادہ روشن ہے۔ تو انھوں نے سوز تخلص اختیار کرلیا۔ ان کے دادا سید ضیاء الدین
بہت بزرگ شخص اور تیر اندازی میں مشہور تھے۔ والد پرانی دہلی کے محلہ قراول پورہ میں
سکونت پذیر تھے۔ جب دہلی کی حالت خراب ہوئی تو یہ لباس فقیرانہ اختیار کرکے

---

۱؎ خاتمہ مرآت احمدی صہ ۳۲

لکھنؤ چلے گئے۔ وہاں بھی کامیابی نہ دیکھی تو ۱۲۱۲ء میں مرشد آباد چلے گئے مگر کچھ روز وہاں رہ کر پھر واپس لکھنؤ آئے تو قسمت نے یاوری کی اور نواب آصف الدولہ ان کے شاگرد ہو گئے۔ اسی برس کی عمر میں بمقام لکھنؤ انتقال فرمایا۔ سنہ ۱۱۳۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۱۳ھ میں وفات پائی۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:-

عاشق ہوا، اسیر ہوا، مبتلا ہوا ؛ کیا جانئے کہ دیکھتے ہی دل کو کیا ہوا
سرمشق ظلم تونے کیا مجھ کو واہ واہ ؛ تقصیر یہ ہوئی کہ ترا آشنا ہوا
دل تھا بساط میں سو کوئی اسکو لے گیا ؛ اب کیا کروں میں اے مرے اللہ کیا ہوا
پاتا نہیں سراغ کروں کس طرف تلاش ؛ دیوانہ دل کدھر کو گیا آہ کیا ہوا
سنتے ہی سوز کی خبرِ مرگ خوش ہوا ؛ کہنے لگا کہ رنڈ تو چھوٹا بھلا ہوا[1]

---

[1] تاریخ ادب اردو ص ۱۰۶ - مراۃ الشعراء ص ۲۳۰

---


## فارم ۱۷

دیکھو نمبر ۸

معارف پریس اعظم گڈھ

نام مقام اشاعت: دار المصنفین اعظم گڈھ — پتہ: دار المصنفین اعظم گڈھ

نوعیت اشاعت: ماہانہ — نام پبلشر: " "

نام پرنٹر: عتیق احمد — ایڈیٹر: ضیاء الدین اصلاحی

قومیت: ہندوستانی — قومیت: ہندوستانی

نام و پتہ مالک رسالہ: دار المصنفین شبلی اکیڈمی۔

میں عتیق احمد تصدیق کرتا ہوں کہ جو معلومات اوپر دی گئی ہیں وہ میرے علم و یقین میں صحیح ہیں۔ عتیق احمد




# شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کا سنہ ولادت

اور

## ابوطالب کلیم کا قطعۂ تاریخ

از

جناب عبدالرؤف خاں ایم۔ اے (اودی کلاں) راجستھان

عموماً تاریخ گو حضرات واقعات کی تاریخیں ان کے پیش آنے کے وقت یا تھوڑے عرصہ بعد کہا کرتے ہیں لیکن بہت سی تاریخیں طویل عرصہ گزر جانے کے بعد کہی گئی ہیں۔ ایسی صورت میں اگر تاریخ گو کسی مستند ماخذ کے بجائے اپنے قیاس سے سنی سنائی اور عوام میں مشہور روایت پر اعتماد کر کے مادۂ تاریخ موزوں کردے تو آنے والی نسلیں اس مادہ سے واقعہ کا درست سال نہیں برآمد کرسکیں گی۔ مگر کسی مادۂ تاریخ سے درست سال برآمد کرنے میں ایک اور دشواری یہ پیش آتی ہے کہ تعقو تاریخ کے کسی شعر اور قواعد تاریخ گوئی کی رو سے اصح یہ ہے کہ تاریخی شعر بلکہ مادہ میں نہایت لطیف اور پوشیدہ تعمیہ کا داخلی یا خارجی پہلو پنہاں ہوتا ہے۔ جس کی طرف بادی النظر میں توجہ منعطف نہیں ہوتی مثلاً غالب نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء/۱۲۷۳ھ کی تاریخ "رستخیزِ بے جا" سے برآمد کی جو حسب واقعہ ہونے کے علاوہ لطیف تخرجہ کی بھی حامل ہے۔ یعنی "رستخیز" کے اعداد بحساب ابجد ۱۲۷۷ ہوتے ہیں اگر ان سے لفظ "جا" کے چار عدد خارج کرنے پر مطلوبہ سنہ ۱۲۷۳ برآمد ہو جائیگا جس کا واضح قرینہ حرف نفی "بے"

موجود ہے۔ لیکن بعض اوقات قطعۂ تاریخ میں تعمیۂ داخلی وخارجی دونوں موجود ہوتے ہیں جس کے باعث مطلوبہ تاریخ برآمد کرنے کا عمل مزید پیچیدگی اختیار کرلیتا ہے مثلاً ۱۰۵۶ھ میں جب شہنشاہ شاہجہاں نے نذر محمد خاں والیٔ بلخ وبدخشاں پر فتح حاصل کی تو عبدالرزاق گیلنی نے بطریق تعمیہ تخرجہ وتدخلہ ایک مثال تاریخ موزوں کرکے حضور شاہ پیش کی اور انعام واکرام سے نواز اگیا۔ تاریخ یہ ہے:

چوسالِ فتح بدخشاں وبلخ راجستم ‏ ‏ ‏ زپیرِ عقل کہ دانا بود براہل زماں

زروئے تعمیہ فرمود فی البدیہہ بمن ‏ ‏ ‏ زمین مرکبِ فرِ قدوم شاہ جہاں

بشد زبلخ وبدخشاں "نذر محمد خاں"

"زر وقبیلہ واملاک" راگذاشت دراں[۱]

اس قطعہ کا تاریخی شعر تین حصوں میں منقسم ہے یعنی "بلخ وبدخشاں" کے اعداد کا میزان مع عطف ۱۵۹۵ ہوتا ہے ظاہر ہے کہ جب بلخ وبدخشاں فتح کرلیا گیا تو سابقہ والی "نذر محمد خاں" جسکے حروف کا میزان بحساب جمل ۹۹۷ ہوتا ہے ملک سے خارج ہوگیا یعنی بلخ وبدخشاں کے اعداد ۱۵۹۵ میں سے نذر محمد خان کے اعداد ۹۹۷ منہا کردیئے گئے تو [۱۵۹۵-۹۹۷=] ۵۹۸ باقی رہے۔ اب چونکہ ملک کے "زر وقبیلہ واملاک" پر شاہجہاں متصرف ہوگیا اسلئے ۵۹۸ میں "زر وقبیلہ واملاک" کے مجموعی اعداد مع عطف ۴۵۸ داخل کردیئے گئے تو مطلوبہ سال یعنی ۵۹۸ + ۴۵۸ = ۱۰۵۶ھ حاصل ہوگیا۔ اور یہی شاعر کا مقصد تھا لیکن اس تاریخ میں از روئے قواعد فارسی تاحال ایک اور پیچیدگی موجود ہے اور وہ یہ کہ "نذر محمد خاں" کے حروف کی عددی قیمت حروف ابجد کی قیمتوں کے حساب سے ۱۶۹۳ ہوتی ہے۔ جبکہ ہم نے ۹۹۷ عددہی شمار کیئے ہیں یعنی بجائے "نذر" [۹۵۰] کے "ندر" [نون دال مہملہ ورائے مہملہ] کے ۲۵۴ عدد لیئے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ فارسی زبان میں ذال معجمہ دال مہملہ سے تبدیل ہوجاتی ہے۔ جیسے استاذ سے استاد، کاغذ سے کاغد اور گنبذ سے گنبد، اور رسیذ سے رسید وغیرہ جس کا قاعدہ اس رباعی سے ظاہر ہے۔



آنانکہ بفارسی سخن میرانند ‏ ‏ ‏ درمعرض دال ذال رانبشانند

قبل وے ارساکن جز وائے بود ‏ ‏ ‏ دال ست وگرنہ ذال معجم خوانند[۲]

یعنی جو لوگ فارسی میں گفتگو کرتے ہیں وہ دال کی جگہ ذال معجمہ کو بٹھاتے ہیں [یعنی بولتے اور لکھتے ہیں] اگر اس سے پہلے ساکن حرف اؤی کے علاوہ ہو تو وہ دال ہے ورنہ ذال معجم کہتے ہیں۔ چنانچہ قطعہ میں نذر [۹۵۰] کے بجائے ندر [۲۵۴] کے عدد حساب میں لیئے ہیں

اسی طرح دال مہملہ ذال معجمہ سے تبدیل ہوجاتی ہے۔ مثلاً حضرت شاہ محمد کاظم قلندر کاکوروی کے روضہ کی تعمیر ۱۲۳۰ھ / ۱۸۱۴ء پر جسے ان کے مرید حافظ لعل محمد سوداگر نے تعمیر کروایا تھا حضرت شاہ تراب علی قلندرؒ نے یہ قطعہ تاریخ کہا:

خدا بلعل محمد جزائے خیر دہد ‏ ‏ ‏ زسعی او چو بنا گشت روضۂ پیرش

تراب خوش شد زبہر یادگاری دہر ‏ ‏ ‏ بگفت۔ گنبد پرنور۔ سال تعمیرش ۱۲۳۰ھ[۳]

اس تاریخ میں گنبد [۷۶] کے بجائے گنبذ [۷۷۲] کے عدد شمار کئے گئے ہیں جس کا مادہ تعریف سے بے نیاز اور حضرت کے شایان شان ہے۔

اسی طرح کی تاریخیں جو معمانما ہوتی ہیں، معمولی ذہنی کاوش سے حل ہوجایا کرتی ہیں۔ بشرطیکہ طبیعت کو اس فن سے کچھ مناسبت ہو۔

لیکن کسی بھی مادہ تاریخ سے مطلوبہ (درست) سنہ برآمد کرنے میں ایک تیسری دشواری بھی سامنے آتی ہے۔ اور وہ یہ کہ بعض حروف ابجد کے اعداد اخذ کرنے میں اساتذۂ فن کے درمیان اختلاف رہا ہے ان اختلافی حروف میں الف ممدودہ سرفہرست ہے کہ آیا اس کا ایک عدد شمار کیا جائے یا دو۔ فن تاریخ گوئی کے اصول ومبادیات کی کتابوں میں بھی الف ممدودہ کی دونوں طرح کی مثالیں ملتی ہیں، کیونکہ جو تاریخ گو اسکے دو عدد شمار کرتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ الف ممدودہ میں دو الف [۱۱] ہیں اور یہ اسی

طرح لکھا جاتا تھا۔ مثلاً آلِ احمد کو اٰل احمد لکھتے تھے۔ اسکے برعکس جو اساتذہ الف ممدودہ کا ایک ہی عدد لینے کے سختی سے قائل ہیں ان کا کہنا ہے کہ مد (~) حرف نہ ہو کر محض حرکت ہے جسکے عدد ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ حروف ابجد میں "مد" کوئی حرف نہیں۔ چونکہ حضرت اورنگ زیب عالمگیر کی تاریخ ولادت ۱۵ ذیقعدہ سنہ ۱۰۲۷ھ/۲۴ اکتوبر سنہ ۱۶۱۸ء کے اس مادۂ تاریخ میں جسے ملک الشعراء ابوطالب کلیم کاشانی نے برآمد کیا لفظ "آفتاب" وارد ہوا ہے جسکا پہلا حرف الف ممدودہ ہے بستزاد یہ کہ قطعۂ تاریخ کے ایک مصرع میں ایک عدد کی تخرج کا اشارہ بھی موجود ہے بہرکیف مادۂ تاریخ "آفتابِ عالمتاب" کے الف ممدودہ کو ایک یا دو عدد شمار کرنے کی مثال میں پیش کرتے ہوئے بہت سے تاریخ گو حضرات کو اس مادہ سے سنہ مطلوبہ سنہ ۱۰۲۷ھ متخرج کرنے میں اشتباہ واقع ہوا ہے۔ یا (۲) بعض نے سنہ ۱۰۲۸ھ برآمد کرتے ہوئے اسے ہی اورنگ زیب کی ولادت کا سنہ تسلیم کیا ہے۔ یا (۳) الف ممدودہ کے "مد" کے ایک عدد کا اسقاط کیا ہے جس کے سبب بھی سنہ ۱۰۲۸ھ ہی برآمد ہوتا ہے۔ جو صحیح سنہ پیدائش سنہ ۱۰۲۷ھ کے مطابق نہیں ہے۔ دربار شاہجہانی کے ملک الشعراء مرزا ابوطالب کلیم کاشانی (متوفی سنہ ۱۰۶۱ھ) نے اورنگ زیب علیہ الرحمۃ کی ولادت [سنہ ۱۰۲۷ھ] کے چند سال بعد جو قطعۂ تاریخ کہا تھا وہ یہ ہے۔

| | |
|---|---|
| داد ایزد بپادشاہ جہاں | خلفے ہمچو مہر عالم تاب |
| تاج صاحبقران ثانی یافت | گوہر بحر از و گرفتہ حساب |
| نامش اورنگ زیب کردہ فلک | تخت ازیں پایہ گشتہ عرش جناب |
| چوں باں مژدہ آفتاب انداخت | افسر خویش بر ہوا چو حباب (۱-) |

خامہ از بہر سال تاریخش



زد رقم: آفتابِ عالمتاب ۱۰۲۸ھ-۱=۱۰۲۷ھ
۴۸۴+۵۴۴=

اس مادہ کی سند پر اورنگ زیب عالمگیر کا سال ولادت ۱۰۲۸ھ قرار دینے والے محققینِ ادب بیں ملک و بیرون ملک کے کئی ممتاز اشخاص شامل ہیں۔ مثلاً پروفیسر حامد حسن قادری صاحب نے مادۂ تاریخ آفتاب عالمتاب لکھتے ہوئے خطوطِ وحدانیہ میں [۱۰۲۸ھ] ثبت کیا ہے۔ جناب بشیرالدین احمد نے بھی مادہ آفتاب عالمتاب کے نیچے ۱۰۲۸ھ ہی لکھا ہے حتیٰ کہ مشہور تذکرہ نگار مولانا مفتی نسیم احمد فریدی علیہ الرحمہ نے بھی سلطان الہند اورنگ زیب عالمگیر کا سال ولادت ۱۵ ذیقعدہ سنہ ۱۰۲۸ھ شب یکشنبہ اور مادۂ تاریخ آفتاب عالمتاب لکھا ہے بلکہ ملک کے باہر کے محققین میں حسین برتو بیضائی نے اپنے مرتب کردہ دیوان کلیم تصحیح و مقدمہ ص ۸ اور مہدی افشار نے دیوان کامل کلیم ص ۵۷ پر مادہ سے بدون تخرجہ ۱۰۲۸ھ ہی لکھا ہے۔ مفتی محمد غلام سرور لاہوری نے بھی اپنی تصنیف گنجینۂ سروری ص ۱۷۸ پر سنہ ۱۰۲۸ھ کے مانے ہی برآمد کئے ہیں ممکن ہے ان کے پیش نظر بھی کلیم کا مادۂ تاریخ رہا ہو۔

اب فن تاریخ گوئی کے اصول و مبادیات پر بیش بہا تصنیفات یادگار چھوڑنے والے تاریخ گو حضرات کی وضاحت و تشریح ملاحظہ ہو۔ اس سلسلہ میں پہلے فن تاریخ گوئی کے مسلم الثبوت استاد جناب منشی انوار حسین تسلیم سہسوانی (م ۱۸۹۲ء) کا یہ بیان ملاحظہ ہو۔

"ابوطالب کلیم ہمدانی نے الف ممدودہ کے دو عدد قرار دیئے ہیں۔ اور یہی طریقہ اچھا ہے ...... [اسکے بعد مذکورہ قطعۂ تاریخ کے تین شعر یعنی پہلا اور آخری دو شعر "طبع دریافت سال تاریخش" نقل کر کے فرماتے ہیں]

اس مادہ میں بقاعدۂ مرقومہ بالا [یعنی الف ممدودہ کے دو عدد شمار کرنے پر] ایک عدد زیادہ تھا شاعر نے آفتاب افسر خویش انداخت سے اشارہ کیا کہ مدالف جو علامت ممدودہ کی ہے گرا دیا پس ایک ہزار ستائیس باقی رہے۔"

لیکن تسلیم صاحب کے قاعدہ کی رُو سے آفتاب کے ۴۸۴ عدد کے بجائے ۴۸۵ ہوں گے اور پورے مادۂ تاریخ "آفتاب عالمتاب" کے ۱۰۲۹ لہٰذا ایک عدد کے اسقاط کے بعد ۱۰۲۸ حاصل ہوں گے نہ کہ ۱۰۲۷۔

اس فن کے ایک دوسرے ماہر جناب مولانا نذر علی درد کاکوروی نے اس مادۂ تاریخ کو مد کے ایک عدد کی مثال کے تحت نقل کرکے وہی تین شعر پیش کئے ہیں جو تسلیم صاحب نے لکھے ہیں پھر فرماتے ہیں :۔

"اس تاریخ میں ایک عدد زیادہ تھا شاعر نے الفاظ آفتاب افسر خویش انداخت سے مد کو گرا کر ایک عدد کی کمی کر دی اس طرح ۱۰۲۷ھ برآمد ہوئے بادشاہ کے کے لڑکے کا سنہ ولادت یہی تھا"[۵]

درد صاحب نے اورنگ زیب کا سنہ ولادت یقیناً درست برآمد کیا ہے۔ مگر ان کی توضیح رائے پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ جب "آفتاب" کا مد ساقط کر دیا گیا تو بدون مد "افتاب" ہوا جس کی عددی قیمت بھی وہی ۴۸۴ ہوگی۔ ایسی صورت میں مد ساقط کرنے سے آفتاب کی عددی قدر پر کیا فرق واقع ہوا؟ یہ سمجھ میں نہیں آتا جبکہ مادہ سے مد نہیں بلکہ الف [الف ممدودہ] خارج کیا ہے۔ اور مع مد الف کی عددی قیمت وہی شمار کی ہے جو الف کی ہوتی ہے۔

تیسری رائے صاحب فرہنگ آصفیہ جناب سید احمد دہلوی کی ہے سید صاحب الف ممدودہ کی عددی قیمت کی نسبت اظہار خیال کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :۔

"الف ممدودہ کی نسبت اختلاف ہے۔ اگرچہ تمام تاریخ گویوں نے اس کا ایک ہی عدد مانا ہے۔ مگر بعض نے دو بھی شمار کئے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ مد درحقیقت الف مقصورہ اور ہمزہ سے مرکب ہے۔ پس اسکے دو عدد کیوں نہ مانے جائیں۔ چنانچہ



مرزا طالب کلیم نے اسی پر عمل کرکے عالمگیر کے پیدا ہونے کی تاریخ میں آفتاب کے الف ممدودہ کو دو الف گِن کے تخرجہ کیا ہے"[۱۰]

سید صاحب کے آخری فقرہ کا منشا مادہ تاریخ "آفتاب عالمتاب" سے ہے اور ان کے بقول اس مادہ سے ۱۰۲۸ھ کا سنہ نکلتا ہے۔ گویا یہی شہزادہ کی تاریخ ولادت ہے۔

شمس العلما نواب عبدالعزیز جنگ بہادر جو الف ممدودہ کا ایک عدد محسوب کرنے کے سختی سے قائل ہیں فرماتے ہیں کہ :۔

"اس میں کچھ شک نہیں کہ متقدمین فارس میں اس کا رسم الخط دو الف کے ساتھ تھا۔ [یعنی اا] جیسا کہ بعض فرہنگ ہائے فارس سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ اور غالباً ان کا یہ طرز عربی رسم پر مبنی تھا جو اب تک قائم ہے لیکن جب متاخرین نے اسکو بدل دیا اور رسم الخط عربی کی حقیقت کی صراحت عربوں نے کر دی جس کا ذکر اوپر ہوا ہے۔ تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ کلیۂ عام اور قواعد کے برخلاف الف ممدودہ کے دو محسوب ہوں۔ صاحب ملخص تسلیم کو اصرار ہے کہ الف ممدودہ کے عدد دو ہی محسوب ہوں۔ اور مرزا محمد جعفر اوجؔ نے اپنی تالیف ارمغان میں بھی انہیں کے ساتھ اتفاق فرمایا ہے۔ اور سند میں کلیم ہمدانی کی تاریخیں پیش کی ہیں جن کی نقل ذیل میں کی گئی ہے"[۱۲]

دیگر تاریخوں سے صرف نظر کرتے ہوئے ہم یہاں صرف مفید مطلب قطعہ تاریخ کے تین شعر ہی نقل کرتے ہیں۔ جو تسلیمؔ و دردؔ صاحبان نے بھی لکھے ہیں۔ اور انہیں کو نواب صاحب موصوف نے لکھتے ہوئے کلیم پر نقد کیا ہے۔ نیز مادہ کے نیچے اعداد بھی لکھے ہیں۔

داد ایزد بپادشاہ جہاں    خلفے ہمچو نو گل شاداب

چوں بدیں مژدہ آفتاب انداخت — افسرِ خویش بر ہوا چو حباب

طبع دریافت سالِ تاریخش — زود رقم۔ آفتاب عالمتاب
۱۰۲۹ = ۱ - ۱۰۲۸

نواب صاحب موصوف کلیم پر نقد کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

"کلیم ہمدانی کا پایہ فنِ جمل میں کچھ ایسا بلند نہ تھا جس کی سند پر قاعدہ عام اور استادانِ فن اور ائمہ جمل کے قول کی خلاف ورزی کریں"۔[۱۳]

نواب عبدالعزیز والا مدراسی صاحب نے اپنا زورِ قلم تسلیم وادج کی تردید میں صرف کرتے ہوئے کلیم کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے لیکن وہ یہ نہیں بتلاتے کہ اورنگ زیب علیہ الرحمہ کا صحیح سالِ ولادت کیا تھا؟ دراصل ان تاریخ گو اساتذہ کو اشتباہ اسلئے ہوا کہ انھوں نے سالِ ولادت ۱۰۲۸ تسلیم کیا ہے۔ اسکے برعکس اگر صحیح صورت حال ان بزرگوں کے پیشِ نظر ہوتی تو اس تاریخ میں نہ الف ممدودہ کے دو عدد شمار کرنے کی نوبت آتی اور نہ وہ کلیم کا پایہ فنِ تاریخ گوئی میں فروتر بتلاتے ۔ میر نذر علی دردؔ کاکوری نے سنہ البتہ درست برآمد کیا مگر بجائے الف ممدودہ کے "مد" کو گرا کر ۔ دیگر حضرات نے بھی "افسرِ خویش" سے مراد آفتاب کا مدہی لیا ہے جبکہ افسرِ آفتاب انداخت سے مراد آفتاب کا پہلا حرف الف ممدودہ [آ] ہے جسکی عددی قدر کلیم نے اصول کے مطابق صرف ایک شمار کی ہے نہ کہ دو ۔ جیساکہ پروفیسر عبدالرب عرفان صاحب صدر شعبۂ اردو و فارسی دانش کدہ ناگپور نے مذکورہ مادہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے :۔

"مادۂ تاریخ "آفتاب عالمتاب" تعمیے کے ساتھ کہا گیا ہے۔ اس سے ۱۰۲۸ کا عدد مستخرج ہوتا ہے جبکہ حضرت اورنگ زیب کی ولادت کا سال ۱۰۲۷ ہے چنانچہ کلیم نے پہلے شعر میں آفتاب کے اپنے تاج یعنی پہلے حرف (الف) کو ہوا میں گرا دینے کی بات کہہ کر ۱۰۲۸ میں سے الف کے ایک عدد



کے اسقاط کی جانب اشارہ کیا ہے"۔[۱۴]

اس رائے کی تائید دیگر اساتذۂ فن کے بہت سے مادہ ہائے تاریخ سے بھی ہوتی ہے کہ افسر یا تاج سے مراد کسی لفظ کا پہلا حرف ہوتا ہے مثلاً شہنشاہ ہمایوں نے ۹۴۲ھ میں سام مرزا پر فتح حاصل کی تو ملا بکیسی نے یہ قطعۂ تاریخ کہا :

آندم کہ تاج و کاسۂ زر در نظر نمود — در بزم و رزم شکل صراحی و نقش جام

پرسید از خرد کہ چرا تاج زرفشاں — افگند ہمچو لالۂ احمر دریں مقام

گفتا سپہر از پئے تاریخ ایں مقال

افگند تاج زر ز شکست سپاہ سام[۱۵]
۹۴۲ھ = ۷ - ۹۴۹

یعنی "شکست سپاہ سام" کے مجموعی اعداد ۹۴۹ میں سے "زر" کا تاج جو زائے معجمہ ہے کے سات عدد افگندہ "گرا دینے" کر دینے پر مطلوبہ سنہ ۹۴۲ برآمد ہو گیا۔

حافظ معز اللہ علوی کاکوروی نے حضرت شاہ محمد کاظم کے سانحۂ ارتحال پر درج ذیل قطعۂ تاریخ موزوں کیا۔

شاہ کاظم ازیں جہاں بربست — رختِ ہستی بجانب اعلیٰ

از خدا زیرِ افسرِ طوبےٰ — مسکنے یافت جنت الماویٰ[۱۶]
۹
۱۲۲۱ھ = ۱۲۱۲

اس تاریخ میں افسرِ طوبیٰ طائے حطی ہے جسکے ۹ عدد کا تدخلہ کرتے ہوئے سالِ رحلت برآمد کیا ہے۔

"تاجِ الفاظ" کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو : نواب عمدۃ الملک امیر خاں انجام کی شہادت ۱۱۵۹ھ کے موقع پر فارسی کے مشہور شاعر شیخ علی حزیں نے یہ تاریخ کہی :۔

چو قرعہ بہ شرف دولت وصال زدند — بریں بہانہ بنام امیر خاں افتاد

قلم بہ تعمیہ کرد ایں رقم بہ فراق — زفرق فخر و شرف تاج زیب و شاں افتاد ۱۱۵۹ھ

۱۴۶۶ - ۳۰۷ = ۱۱۵۹

یعنی فخر و شرف کے سر سے زیب و شاں کا تاج گر گیا۔ تاریخ گو کا مقصد یہ ہے کہ "فخر و شرف" کے مجموعی اعداد ۱۴۶۶ میں سے "زیب و شاں" کے تاج [ز+ش] کے ۳۰۷ عدد خارج کر دیئے جائیں بطلوبہ سنہ ۱۱۵۹ برآمد ہو جائیگا۔

یا: نواب ممتاز حسین خاں والئ پاٹودی متوفی ۱۸۹۸ء کے قطعۂ وفات کا تاریخی شعر:۔

از سرِ آہ فکر سال تھا یاس — بولا رضواں: خدا نے بخشش کی

۱۸۹۷ + ۱ = ۱۸۹۸ء

اس تاریخ میں سرِ آہ "مد" نہ ہو کر الف مع مد ہے۔

گو کلیم ہمدانی کا مادۂ تاریخ بے حد لطیف اور تعریف سے بے نیاز ہے لیکن اس میں یہ سقم ضرور ہے کہ قرینۂ تعمیہ تاریخی شعر یا مادہ کے بجائے اس سے پہلے کے شعر میں وارد ہوا ہے جبکہ اسے اسی بیت یا مصرع میں ہونا چاہیئے تھا۔ جو تاریخ کا حامل تھا۔ مثلاً محمد طاہر نصر آبادی نے قاضی حاجی کی وفات ۹۶۱ھ پر خوبصورت تعمیہ تخرجہ کے ساتھ یہ تاریخ کہی:۔

جو تاریخ وفاتِ او ز پیرِ عقل پرسیدم — بصد آہ و فغاں گفتا یکے از قاضیاں کم شد

۹۶۲ - ۱ = ۹۶۱ھ

یعنی قاضی حاجی کے انتقال کے سبب "قاضیاں" [۹۶۲] میں سے ایک قاضی کم ہو گیا۔

اگرچہ کلیم نے دیگر کئی قطعاتِ تاریخ نہایت لطیف تعمیہ کے ساتھ کہے ہیں۔ جن کے مادہ ہی میں تعمیہ موجود ہے۔ مثلاً خود اورنگ زیب کی کتخدائی [۱۰۴۶] کے قطعہ کا یہ تاریخی شعر دیکھیے:۔

فلک گفت تاریخ جشن زفافش — "دو گوہر بیک عقد دوراں کشیدہ"

۱۰۴۷ - ۱ = ۱۰۴۶ھ

بقول پروفیسر عبدالوہاب عرفان:۔

"یہ تاریخ اتنے لطیف، مبہم اور داخلی نوعیت کے تعمیے کے ساتھ کہی گئی ہے کہ مطلوبہ سال تک ذہن کی رسائی فوراً نہیں ہو پاتی [اسی وجہ سے بعض حضرات نے



۱۰۴۷ لکھا ہے] تعمیے کی صورت یہ ہے کہ زمانے نے دو گوہروں کو ایک رشتے [لڑی، ڈورے] میں پرو کر ایک کر دیا۔ اس قرینے سے ایک گوہر یعنی ایک عدد حساب سے خارج ہو گیا۔ (۱۰۴۷ - ۱ = ۱۰۴۶)[۹]"

اورنگ زیب کی ولادت کے مادہ میں بظاہر جو سقم نظر آتا ہے اسکے بارے میں علامہ غلام علی آزاد بلگرامی متوفی ۱۲۰۰ھ نے فرمایا ہے کہ:۔

"یک عدد ایں تاریخ زیادہ دارد لہذا تعمیہ کرد و گفت، آفتاب افسر خود کہ الف است، انداخت۔ مولف گوید: تعمیۂ تاریخ خارج از بیتے کہ مشتمل بر مادۂ تاریخ است، طبع نازک نمی پسندد وفقیر تعمیۂ اسقاطِ الف در خود مصرع تاریخ برآوردہ،

یعنی مادۂ تاریخ الفِ اولِ آفتاب صورت رقم ہندسی دارد و آفتاب عالمتاب کہ رقم را زد، الف ساقط گشت"[۱۰]

علامہ کے بیان کا حاصل یہ ہے کہ اس تاریخ میں ایک عدد زیادہ تھا۔ اسلئے تعمیہ کرتے ہوئے کہا گیا کہ آفتاب کا افسر یعنی تاج جو کہ الف ہے، گرا دیا گیا۔ مؤلف عرض پرداز ہے کہ تعمیہ اُسی بیت میں ہونا چاہیے جو مادۂ تاریخ پر مشتمل ہو، ورنہ طبع نازک اسے پسند نہیں کرتی۔ فقیر نے مصرعۂ تاریخ ہی سے اسقاط الف کا یہ قرینہ برآمد کیا ہے یعنی مادہ تاریخ میں "آفتاب عالمتاب" میں پہلا الف رقم ہندسی کی صورت رکھتا ہے۔ یعنی حرف الف "ا" اور ایک کا عدد "۱" ہم شکل ہوتے ہیں اور دونوں کی عددی قیمت بھی ایک ہے۔ چنانچہ مصرعۂ آخر میں "آفتاب عالمتاب" کو "زد" کا فاعل اور "رقم" کو اسکا مفعول قرار دیا جائے۔ تو مصرعہ کی نثر علامتِ مفعول کے ساتھ۔ "آفتاب عالمتاب رقم را زد۔" ہوگی اور اس قرینے سے آفتاب کے پہلے الف کے اسقاط کی صورت نکل آئیگی۔ علامہ آزاد نے تعمیے کی اس لطیف داخلی صورت کی بازیافت سے کلیم ہمدانی کے مادۂ تاریخ کے فنی سقم کا ازالہ فرما دیا ہے۔

اور بہت ممکن ہے کہ ملک الشعراء کلیم کے ذہن رسا میں بھی یہ قرینہ رہا ہو۔

مذکورہ بالا تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ :۔

اولاً :۔ کلیم نے آفتاب کے الف ممدودہ کا ایک عدد ہی محسوب کیا ہے جو تاریخ گوئی کے اصول کے عین مطابق ہے۔ کلیم جیسا ذہین و فطین انسان دو عدد شمار کرتے ہوئے اصول تاریخ گوئی سے انحراف کا مرتکب ہونا ہرگز پسند نہیں کر سکتا تھا۔

ثانیاً :۔ افسر آفتاب خویش انداخت [ یا آفتاب عالمتاب ] میں افسر آفتاب سے مراد آفتاب کی حرکتِ مد نہ ہو کر بذات خود الف ممدودہ ہے۔ معنوی تاریخوں میں حرکت کا کوئی عدد شمار نہیں ہوتا حرکات کے اعداد صرف صنعتِ اعراب کی تاریخوں ہی میں شمار کیئے جاتے ہیں جو بالکل علاحدہ اور کسی حد تک نسبتاً ایک مشکل صنعت ہے۔

ثالثاً :۔ تعمیۂ تخرجہ و تدخلہ کے اظہار کیلئے اساتذۂ فن موقع کی مناسبت اور عروضی وزن کے لحاظ سے مصرعۂ تاریخ یا بیت تاریخ میں کبھی افسر کبھی تاج لاتے ہیں۔ جیسا کہ مثالیں پیش کی گئیں۔ اور کبھی "سر یا رٔو" وغیرہ لاتے ہیں۔ مثلاً سقوط خلافت عثمانیہ ۱۳۳۸ھ ۱۹۲۰ء کی یہ تاریخ دیکھئے جو مفہوم کے اعتبار سے ملت اسلامیہ پر آج بھی صادق آتی ہے۔

مسلم آپس میں لڑ رہے ہیں سنتے ہی نہیں بات گر گی

سر پیٹ کے کہہ رہا ہے اسلام - ۱

افسوس ہوئے تمام ترکی" ۱۳۳۹ - ۱ = ۱۳۳۸ھ

یا شاہجہاں کے بیٹوں کی باہمی جنگ کی تاریخ ۱۰۶۸ھ کا صرف یہ تاریخی شعر ملاحظہ ہو جو صاحبِ مفتاح التواریخ نے نکالی ہے۔

بے تامل سر آب بکشید و فرمود ۴۷۱ + ۴۷۳ - "پسراں را ہمہ بدخواہ پدری بینم" ۱۵۴۰ = ۱۰۶۸ھ



پہلے مصرعہ میں تامل + آب کے تخرجہ کا قرینہ موجود ہے۔ یہاں بھی سر آب ہے "الف ممدودہ" ہے نہ کہ صرف مد۔ یہ پورا قطعہ تاریخ حافظ کی ایک غزل کے اکثر اشعار یا مصرعوں پر مشتمل ہے۔

رٔو کے تخرجہ کی مثال میں ایک حمام کی تعمیر کی تاریخ کا یہ شعر دیکھئے۔ جو حکیم احسن اللہ خاں نے تعمیر کرایا تھا

بشستم روے لفظ آں گاہ گفتم ۳۱ "شدہ تعمیر ایں حمام احسن" ۳۲ھ

۱۲۹۸ - ۳۰ = ۱۲۶۸ھ

اورنگ زیب علیہ الرحمۃ کے مادۂ ولادت کے سلسلہ میں اساتذۂ تاریخ گوئی کی فروگذاشت کی طرف توجہ اسلیئے مبذول کرائی گئی ہے کہ شائقین تاریخ گوئی اور اس فن پر کام کرنے والے طلبہ ان معیاری کتب کا مطالعہ کرتے وقت اس تاریخ میں ان حضرات کے سقم کو درست سمجھ کر غلط نتیجہ برآمد نہ کرلیں۔

---

## حواشی

۱ مقالہ فن تاریخ گوئی از مولانا نذر علی درد کاکوروی مشمولہ ماہنامہ شاعر آگرہ بابت ماہ جون ۱۹۳۳ء ص ۱۵ کالم ۱ واقعات دار الحکومت [دہلی ۱ : ۴۵۲ فوٹ نوٹ]۔

۲ رسالہ قواعد از پروفیسر مولوی محمد نجف علی خان ص ۴۳ سنہ طباعت غالباً ۱۸۶۲ء یا اسکے بعد

۳ تفصیل مزارات صاحبان خانقاہ کاظمیہ کاکوری از ڈاکٹر مسعود انور علوی کاکوروی ص ۱۲ مطبوعہ ۱۹۹۰ء

۴ رک اے شارٹ ہسٹری آف اورنگ زیب از جدو ناتھ سرکار، ہسٹری آف شاہجہاں آف دہلی از بنارسی پرساد سکسینہ ص ۱۵۔

۵ مقدمہ رقعات عالمگیر از سید نجیب اشرف ندوی ایم۔ اے ص ۲۱ - ۱۲ دار المصنفین اعظم گڈھ سنہ طباعت ندارد

[6] رک داستان تاریخ اردو ص ۳۲، حاشیہ ناشر لکشمی نرائن اگروال تاجر کتب آگرہ سنہ ۱۹۵۶ء

[7] رک واقعات دارالحکومت دہلی از بشیر الدین احمد ج ۱ ص ۲۷۶ فوٹ نوٹ۔

[8] دیکھئے مکتوبات خواجہ محمد معصوم سرہندی ص ۲۹۷، کتب خانہ الفرقان لکھنؤ ستمبر سنہ ۱۹۷۰ء

[9] علم تاریخ [ترجمہ تلخیص تسلیم] از سید اقتدار احمد ساحر سہسوانی ص ۳۶ مطبوعہ سنہ ۱۹۱۲ء مطبع العلوم مراد آباد

[10] مقالہ فن تاریخ گوئی از درد کاکوروی شمولہ ماہنامہ شاعر آگرہ جولائی سنہ ۱۹۳۲ء ص ۱۵ کالم ۲

[11] فرہنگ آصفیہ ج ۱ ص ۸۵ ترقی اردو بورڈ نئی دہلی سنہ ۱۹۷۴ء

[12 و 13] عزائب الجمل ص ص ۸۵ - ۸۴ عزیز المطابع حیدرآباد سنہ ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء

[14] مقالہ اورنگ زیب کی زندگی کے اہم واقعات کی تاریخیں مشمولہ ماہنامہ معارف اعظم گڑھ ج ۱۴۲
شمارہ ۲ ص ۳ - ۱۰۲ -

[15] واقعات دارالحکومت دہلی ۲ : ۴۲ - ۲۴۱

[16] تفصیل مزارات ..... کاظمیہ کاکوری ص ۲۱

[17] شعر العجم فی الہند از شیخ محمد اکرام ص ۲۰۷ مطبوعہ سنہ ۱۹۶۱ء

[18] مکتوب گرامی استاذ محترم پروفیسر عبد الرب عرفان صاحب کامٹی (ناگپور) مورخہ ۸ مارچ ۱۹۹۳
بنام راقم

[19] معارف فروری سنہ ۱۹۸۹ء ص ص ۹ - ۸ - ۱۰ -

[20] خزانۂ عامرہ ص ص ۷ - ۳۹۶ مطبوعہ سنہ ۱۹۰۰ء مطبع نولکشور، کانپور۔

[21] دفتر تاریخ ۸ : ۸۲ مصنفہ نواب سید محمد جعفر علی خاں صاحب رئیس شمس آباد ریاض المومنین
پریس کاظمین لکھنؤ سنہ ۱۹۲۰ء

[22] واقعات دارالحکومت دہلی ۲ : ۱۸۲



# سندھ میں بھگوت گیتا

## کا

## دو سو سالہ پرانا اُردو مخطوطہ

از پروفیسر سید محمد سلیم لاہور۔

شاہ ولی اللہ اورینٹل کالج منصورہ جو ہالا اور پیر جھنڈا کے درمیان ۱۹۶۰ء میں قائم ہوا تھا اور تعلیمی اداروں کو قومی تحویل میں لینے کی اسکیم کے تحت ذوالفقار علی بھٹو کے دور (۱۹۷۲ء) میں یہ واحد اورینٹل کالج تھا جو سرکاری تحویل میں لیا گیا۔ ادارہ کے منتظمین نے بدنیتی کے تحت حکومت کے خلاف مقدمہ دائر کیا جو آج تک چل رہا ہے۔

اس کالج میں ایک دارالکتب اور ایک دارالآثار ہیں۔ دارالکتب میں قلمی کتابیں ڈھائی سو کے قریب ہوں گی۔ ان میں سے ایک کتاب بھگوت گیتا ہے جس کا تعارف بیان کرانا مقصود ہے۔

یہ بھگوت گیتا کا ترجمہ ہے۔ کاتب کا نام اس طرح ہے۔

" مولرام ولد بہتہ آنند رام باشندہ سیوستان " سیوستان کو آج کل سیوہن کہتے ہیں جو ضلع دادو کا مشہور شہر ہے۔ یہاں لال شہباز قلندر کا مزار ہے۔ جس کی زیارت کرنے محمد شاہ تغلق اور فیروز شاہ تغلق بھی آئے تھے۔ کتاب کے ایک خالی صفحہ پر ایک صاحب دھرم داس نے کاتب آنند رام سے اپنا تعلق اس طرح ظاہر کیا ہے۔

آنند رام

ہردارام — مولرام — محبوب رائے

مولرام

ڈیون مل
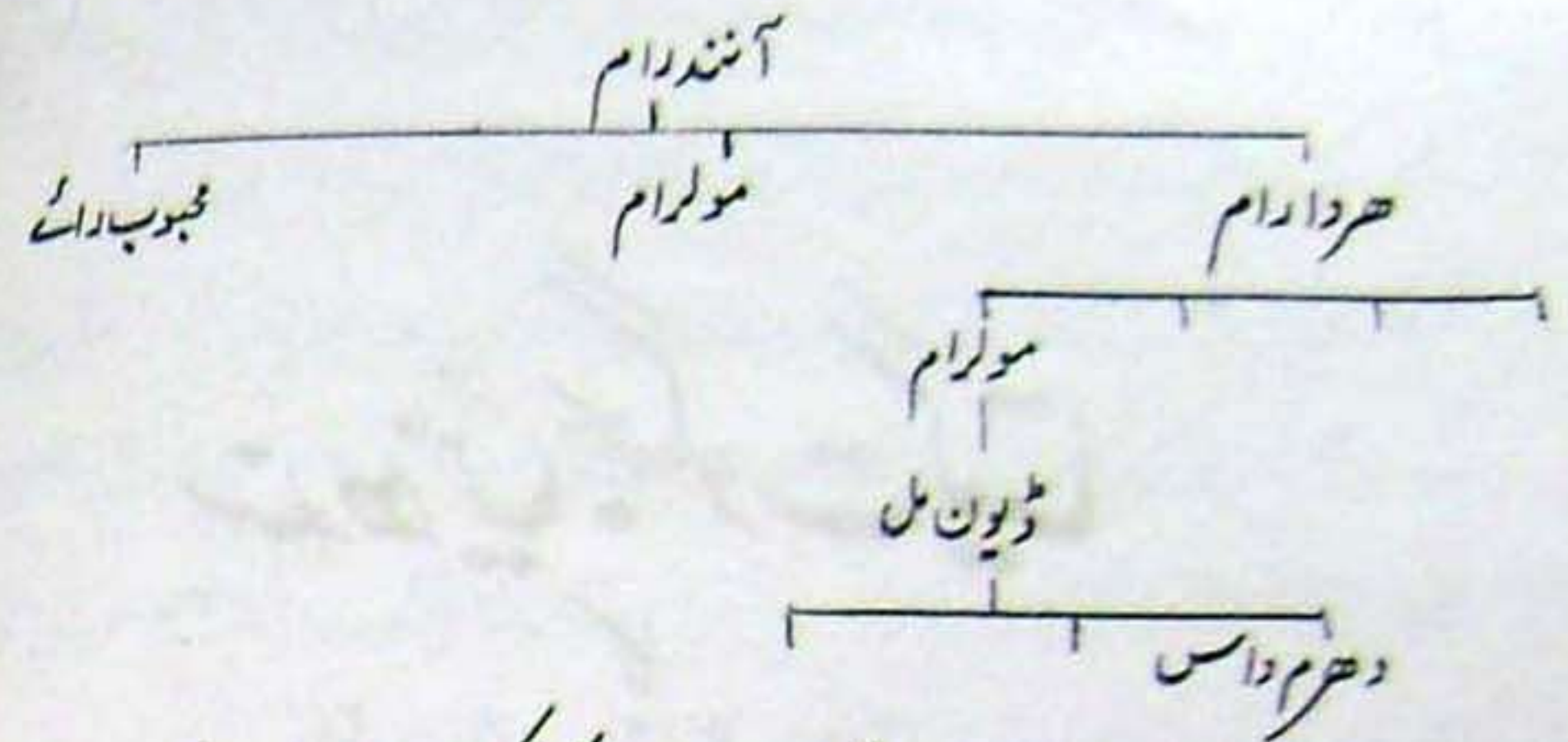
دھرم داس

دھرم داس نے یہ تحریر ۲۷ اکتوبر ۱۸۹۷ء کو لکھی ہے۔ کاتب کے مزید حالات معلوم نہ ہو سکے۔

کاتب نے یہ نسخہ (فارسی حصہ) ۲۵ ماہ ذی الحجہ ۱۱۹۵ کو ختم کیا ہے۔ کتاب کے آخر میں وہ لکھتا ہے:

"ایں مہاپران سری بھاگوت کہ مشتمل بر بیدانت و دہرم ولیلائے سری مہاراج جیواست، بیمین تائیدات سری مہاراج جیو از دست ہیچ مدان نیاز ارتام غلام مولرام ولد نعتہ آنند رام سرگ باشی بتاریخ بیست وپنجم ماہ ذی حجہ ۱۱۹۵ ہشت ورادسی سندھی ماہ نہری سمبت ۱۸۴۸ اتمام یافت۔"

قلمی کتاب کا تتبع کرنے سے معلوم ہوا کہ کاتب ۲ تو ۲ کے لیے ۴، ۳ کے لیے لکھتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ ۱۸۳۸ سمبت ہے جو ۱۷۸۱ عیسوی کے مطابق ہے۔

یہ کتاب فارسی زبان میں ہے۔ اس میں بارہ[12] ابواب ہیں۔ جن کی تفصیل یہ ہے:

باب اول۔ در مفصل ساختن خلق ۱۴ فصل

باب دوئم۔ دربیان کردن حقیقت اوتار ۶ فصل

باب سوئم۔ در تفقہ اوتار ۱۲ فصل



باب چہارم۔ درحقیقت بعضے اوتار ۱۰ فصل

باب پنجم۔ دراحوال راجہ بیربرت دراجہ جدرتھہ ۵ فصل

باب ششم۔ درآفرینش دیوتہا و دیوتہاں ۱۰ فصل

باب ہفتم۔ دراحوال جی بجی واوتار نرسنگھ ۱۳ فصل

باب ہشتم۔ درشور اندن دریا وظہور آں ۱۰ فصل

باب نہم۔ در تفصیل اولاد سھنومی ۱۳ فصل

باب دہم۔ دربیان لیلائے سری کرشن ۱۹ فصل

باب یازدہم۔ درگیان گفتن •

باب دوازدہم۔ دراحوال مردم کلجگ ۶ فصل

کتاب کے آخر میں ایک باب اردو میں لکھا ہے۔ اس کا عنوان ہے۔

سوست سری گنشیاو ا لخ سری سچا نندا لخ بھگوت باسدیو، سری بھگوت گیتا۔ سری کرشن جیو ارجن سنیاوے۔

نمونہ زبان۔

جب پاندوار کروں مہا بھارتھہ کے حدہ کوں کورکھیتر کوں چلے۔ تب راجہ دہراشت کہو۔ ہوں بھی جدھ کا کوتک دیکھن کوں چلوں ہوں۔ جب بات دہراشت کہی تب تس کوں سری بیاس جیو کہیو۔ جو ہی راجہ تیرے تو نیتر[1] ناہیں۔ نیتر[2] بنا کیا دیکھیں گا۔ تب دہراشت کہو۔ جو ہوں دیکھوں کا۔ ناہیں توسروں دوار کرسروں کروں کا۔

[1]و[2] غالباً یہ نین ہے۔

ایک اور مقام پر ہے:

"ارجنو ورچہ ۔ ہے جادو بنسیوں پکھی سری پشت سری کرشن بھگوان کرپا ندہان
جیو۔ ریہہ بات سبھی منکہ سمجھتے ہیں۔ جو پاپ کیے تیں دوکھہ پاے ہے۔
جیسے بکہ کمائیے۔ تیں پرانے کا مانس ہوتا ہے تیسے ہی پاپ کرم تیں
دوکھہ پائے ہے۔ ریہہ بات سمجھ کر ہے۔ پر یہہ جیو ان منکھوں کوں پاپ
بل کرکرکون کراوے ہے۔ سو مجھ کوں کرپا کر کہو۔

اردو حصہ سوسوا سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے آخر میں یہ تحریر ہے:

سپورن بھئی بھگوت گیتا تمت پورن ماسی تاریخ چہار دہم ماہ محرم ۱۹۶
سنہ ہجی ماہ پوہ ۱۸۲۳ بکرما پاسری کرسن بھگوان جیو کرپا ساگر دیا سروپ آنند
روپ کرپال دیال۔

بدستخط درساں کے داس بندہ نیاز ار تسام مولرام ولد مہتہ آنند رام سرگباشی
صورت قیامیت یافت واقعہ حویلی سیوستان۔

اس سے کاتب کا نام اور کتابت کا سن معلوم ہو گیا۔ لیکن مترجم کون ہے؟
ترجمہ کب ہوا؟ فارسی اور اردو کا مترجم ایک ہی شخص ہے؟ یا دو۔ یہ کچھ نہیں معلوم۔

---

## مقالات شبلی (جلد دوم)

اس جلد میں مولانا شبلی نعمانیؒ کے ادبی مضامین جمع کیے گئے ہیں، جن کے آخری
تین مضامین یہ ہیں، اردو ہندی، بھاشا زبان اور مسلمان، تحفۃ الہند (ہندی صنائع
بدائع) اس جلد کی قیمت ۱۵ روپے۔ آٹھ جلدوں پر مشتمل پورے سیٹ کی قیمت
۱۲۰ روپے ہے۔

منیجر



# اخبار علمیہ

ایران سوسایٹی کلکتہ اور اس کے علمی و تحقیقی انگریزی مجلہ انڈو ایرانیکا کی بعض
اہم خدمات کا ذکر پہلے بھی کیا جا چکا ہے، یہ فارسی زبان و ادب کی خدمت کی غرض
سے اگست ۱۹۴۴ء میں قائم ہوئی تھی اور بعض نامساعد حالات کے باوجود اب تک سرگرم
سفر ہے، اس کے مجلہ انڈو ایرانیکا کو ملک و بیرون ملک کے اہم اہل قلم کا تعاون حاصل
رہا، ان میں ایک نام دار المصنفین کے سابق ناظم مرحوم جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن
کا بھی ہے، حال ہی میں مجلہ کی پینتالیسویں جلد کا خاص شمارہ ملا تو معلوم ہوا کہ اسے
ایران سوسایٹی نے ازراہ قدر و احسان شناسی، ڈاکٹر بی، سی، لا کے ساتھ جناب
سید صباح الدین عبدالرحمٰن مرحوم کے نام معنون کیا ہے اور اس میں مرحوم کی شخصیت اور
علمی خدمات پر جناب سید شہاب الدین دسنوی، جناب غلام سرور، ڈاکٹر ایم فیروز اور
ڈاکٹر جاوید علی خاں کے مضامین شایع کیے ہیں، جن سے ایران سوسایٹی سے مرحوم کے
قلبی ربط کی یادیں تازہ ہوگئیں، یہ بھی معلوم ہوا کہ ادارہ اس سال اگست کے مہینہ
سے اپنے جشن طلائی کی تقریبات منعقد کر رہا ہے اور اس موقع پر علمی و ادبی پروگراموں کے
علاوہ مجلہ انڈو ایرانیکا کا گولڈن جبلی نمبر بھی شایع ہوگا۔

---

اسلام آباد (پاکستان) کا مقتدرہ قومی زبان اس وقت اردو زبان کی خدمت انجام
دینے والوں میں سرفہرست اور لائق رشک ہے، اس کے مختلف شعبوں میں شعبۂ لغات

واصطلاحات کی خدمات خاص طور پر قابل ذکر ہیں، اس کی شایع کردہ انگریزی اردو لغت کا ذکر کیا جا چکا ہے، اب معلوم ہوا کہ سائنسی و تکنیکی لغت اور قانونی انگریزی اردو لغت کی تیاری شروع ہو چکی ہے، اسپرانتو، عربی اور ترکی زبانوں کے لغات پہلے ہی شایع ہو چکے ہیں، ۹۳-۱۹۹۲ء کے مالی سال میں جرمن اردو اور سنسکرت اردو کے علاوہ نائیجیریا کی اہم زبان ہوسا کا ہوسا اردو لغت بھی شایع ہوا، ہندی اردو اور چینی اردو لغات کی تیاری میں پیش رفت کی خوش خبری بھی ہے، ان قابل قدر کاوشوں کے لیے ادارہ داد و تحسین کا مستحق ہے۔

---

عرصہ ہوا موہنجداڑو اور ہڑپا کی کھدائی کے دوران تقریباً سات سو مہریں ملی تھیں ان پر کندہ تحریریں اس وقت سے اب تک محققین کو حیران و سرگرداں کیے ہوئے ہیں، ان میں ڈاکٹر اے فیرسروس بھی ہیں جنھوں نے اپنی ضخیم کتاب دی روٹس آف اینشنٹ انڈیا میں مایوس ہو کر اس راز کو حل کرنے کی کوشش کو ترک کرنے کا اعلان کیا اور یہ لکھا کہ یہ مہریں کبھی نہیں پڑھی جا سکتیں، ان کے علاوہ بعض اور اہم ماہرین محققین بھی اپنی ناکام کوششوں سے دل برداشتہ ہو گئے، لیکن اب ایک عام اور گمنام اور کیرالا کے معمر ریٹائرڈ فوجی مسٹر کے، رمن نے اس میدان میں اپنی کامیابی کا دعویٰ کیا ہے، معلوم ہوا ہے کہ انھوں نے چالیس سال سے ان مہروں کو اپنی کاوش و تحقیق کا مرکز بنا رکھا ہے، وہ کئی زبانوں سے واقف ہیں اور انھوں نے "انڈس ویلی اسکرپٹ اسٹڈی سوسایٹی" کے نام سے انجمن بھی قائم کر رکھی ہے، ان کی ایک کتاب بھی ملیالم زبان میں "ہڑپائی مہروں کے متعلق سچائیاں" کے نام سے شایع ہوئی ہے، ان کی دریافتیں وادی سندھ کے رسم الخط کے متعلق عام تصور اور مفروضوں سے مطابقت نہیں رکھتی ہیں بلکہ بعض حیثیتوں



سے وہ کئی لسانی اور تمدنی مسلمات پر سوالیہ نشان قائم کر دیتی ہیں، مثلاً ان کا خیال ہے کہ آریوں کا وجود بہت نمایاں اور ممتاز نہیں تھا اور ہندوستان میں دراویڈیوں کی تہذیب سے جدا کوئی اور تہذیب نہیں تھی، ان کے نزدیک یہ نظریہ بھی مضحکہ خیز ہے کہ دراویڈی تہذیب صرف وادی سندھ ہی میں محدود تھی۔ مسٹر رمن نے اپنے خیالات کی تائید میں ایک دلیل یہ دی ہے کہ ہڑپائی رسم الخط کے معاملہ میں مغربی محققین کو یہ مغالطہ ہوا کہ وہ محض ایک مخصوص اور محدود زبان کی علامت ہے، اس کے برعکس مسٹر رمن نے اس مفروضہ سے کام شروع کیا کہ ہڑپائی زبان نے دیگر زبانوں پر اپنے گہرے اثرات مرتب کیے اور بعض آثار و قرائن سے انکو اپنے اس نظریہ کے اثبات میں تقویت ملی کہ تمام زبانوں کی اصل دراویڈی ہے اور اس طرح انھوں نے ہندوستان کے ایسے عام اور مقبول نظریہ کو باطل اور رد کرنے کی کوشش کی ہے کہ سنسکرت زبان ام الالسنہ ہے، انھوں نے مثال میں ایک دراویڈی لفظ تھرا THURA کو پیش کیا جس کے معنیٰ دروازہ کے ہیں، یہ لفظ تامل میں THURAI انگریزی میں DOOR ہندی میں دوار، جرمن میں THUR سندھی میں DHARO اور فارسی میں در ہے، انھوں نے ایسی اور بھی کئی مثالیں دی ہیں، انھوں نے دراویڈی زبان کی بربادی کا سبب سنسکرت زبان کے ظہور و عروج کو بتایا جسے دیوتاؤں کی زبان قرار دیا گیا، مسٹر رمن کے الفاظ میں اس قسم کی باتیں "لسانی سوفسطائیت" کی مظہر ہیں، انھوں نے دراویڈی الفاظ کے متعلق بتایا کہ ہر لفظ کسی نہ کسی شکل میں جنس سے متعلق ہے اور اس کا رسم الخط تین حصوں میں منقسم ہے، ایک مرموز و مخفی، دوسرا تصویری رسم الخط اور تیسرا علامتی یا اشاراتی، مسٹر رمن کی ان تحقیقات کو ابھی بمشکل چند لوگوں نے قبول کیا ہے۔ تاہم خود ان کو یقین

ہے کہ جلد یا بدیر ان کی تحقیقات کو تسلیم کرلیا جائے گا۔

ہندوستانی مسلمانوں اور ان کے مسائل سے تعلق اور باخبری کا رجحان اب ہندی اہل قلم میں بھی نظر آرہا ہے، ہندی کے اخبار راشٹریہ سہارا سے معلوم ہوا کہ ایک اشاعتی ادارہ وانی پرکاشن نے کم قیمت پر جدید مسائل سے متعلق کتابوں کا ایک سلسلہ شروع کیا ہے جس کی پہلی دو کتابیں 'اجودھیا اور اس سے آگے'، اور 'بھارتیہ مسلمان' ہیں، ان دونوں کے مرتب مشہور صحافی راج کشور ہیں، اول الذکر میں اجودھیا کے قضیہ کے متعلق متعدد مضمون نگاروں کے مضامین کا انتخاب ہے، گردھری راٹھی، راج موہن گاندھی، سوربھ دوبے، پرشوتم اگروال، اور پرکاش جوشی وغیرہ کے مضامین میں غیر جانبدارانہ رویہ نمایاں ہے، ایک ذمہ دار شہری کے فرائض کیا ہیں؟ اس سوال کے ساتھ راج موہن گاندھی نے یہ سوال بھی کیا ہے کہ کیا ایک مسجد کو منہدم کرکے تاریخ کی سچائیوں کو بھی نیست و نابود کیا جاسکتا ہے؟ کچھ باتیں مبہم بھی ہیں جیسے یہ کہنا کہ 'اجودھیا کا قضیہ ہمارے ماضی کے ساتھ ایک خطرناک فریب ہے'، دوسری کتاب بھی ۱۵ مضامین کا مجموعہ ہے، اس میں پروین گنگوپادھیائے، منی شنکر ایر، اروند موہن ترپاٹھی کے علاوہ پروفیسر امتیاز احمد، ڈاکٹر رفیق زکریا اور اطہر فاروقی وغیرہ کے مضامین بھی شامل ہیں، ان میں مسلمانوں کے معاشرتی، سیاسی، اقتصادی اور لسانی مسائل پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔

ملکوں اور قوموں کی تاریخ میں ذہن و فکر کی پراگندگی اور آلودگی سے تہذیب، زبان اور آثار قدیمہ کی تباہی و بربادی ناگزیر ہے، اسی طرح فضائی آلودگی سے اور ماحول کی صفائی نہ ہونے سے قدرت کی بے شمار قیمتی مخلوقات بھی برباد ہوکر رہ جاتی



ہیں، حال ہی میں ہندوستان کی ماحولیات اور جنگل کی وزارت نے نباتاتی، حیواناتی اور غاباتی تحقیق و تجزیہ کی نمایندہ تنظیموں کی مدد سے ایک رپورٹ پیش کی ہے اس سے معلوم ہوا کہ ہندوستان میں ۴۵ ہزار نباتاتی قسمیں ہیں، ان میں ۱۵ ہزار پھولوں ۵ ہزار سماروغ (کھمبی) ۲ ہزار سات سو بیلوں اور ۶۰۰ TERIDO PHYTES کی قسمیں ہیں، جانوروں کی ۷۵ ہزار قسمیں ہیں ان میں ۵۰ ہزار کیڑے مکوڑے، ۴ ہزار صدفی (سیپیوں والے) اور ۲ ہزار مچھلیوں کی قسمیں ہیں، ۱۴۰ جل تھلیا (تری اور خشکی دونوں میں رہنے والے جانور) ۴۲۰ حشرات الارض، ۱۲۰۰ چڑیوں اور ۳۴۰ دودھ دینے والے جانوروں کی قسمیں ہیں، ان میں ۱۵۰۰ پودوں، ۷۹ دودھ پلانے والے جانوروں، ۴۴ چڑیوں ۱۵ حشرات الارض اور ۳ جل تھلیا جانوروں کی قسموں کا وجود اب خطرہ میں ہے، چاول کی ۵۰ ہزار قسموں میں آیندہ دہائی میں ہندوستان میں صرف ۳۰۰ قسمیں ہی رہ جائیں گی، ان فناپذیر اقسام کے تحفظ و بقا کے لیے سائنسدانوں نے اس طبعی ماحول کی حفاظت پر توجہ دلائی ہے جس میں ان انواع کی زندگی و روئیدگی کی صلاحیت ہو، دودھ کی افزائش کی غرض سے دیسی گایوں کے ساتھ بعض غیر ملکی گایوں سے اختلاط نسل کا تجربہ بھی دیسی گایوں کی نسل کے خاتمہ کا محرک ثابت ہورہا ہے، کاش سائنسدانوں کی باتیں سیاست دانوں کے لیے بھی غور و فکر کا ذریعہ بنتیں۔

ع۔ ص۔
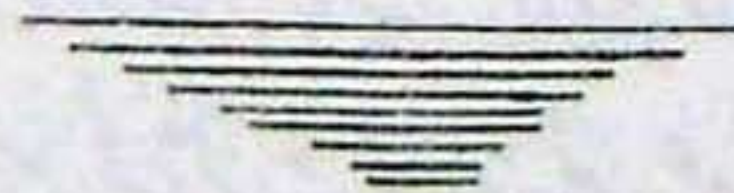
## معارف کی ڈاک

# مکتوب کراچی

آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی

جناب محترم ضیاء الدین اصلاحی صاحب السلام علیکم!

امید کہ مزاج گرامی بخیریت ہوگا۔ معارف بابت نومبر ۱۹۹۳ء موصول ہوا، حسب معمول پرچہ بے حد معیاری ہے۔ العلم سہ ماہی میں کسی نہ کسی عنوان آپ کے رسالہ کا ذکر بھی ہوتا رہتا ہے۔ ڈاکٹر لطیف حسین ادیب کا مقالہ 'بریلی کے اہم اخبارات' غور سے پڑھا۔ یہ میرے حقیقی پھوپھی زاد بھائی اور سید الطاف بریلوی کے حقیقی بھانجہ ہیں۔ ماشاء اللہ لائق فائق شخص ہیں۔ روہیل کھنڈ گزٹ کے سلسلے میں ایک تحریر ہے کہ:

"پرنٹر پبلشر" کا نام محمد عبدالحمید تھا... محمد عبدالحمید کا تعلق پنجابیان کی شمسی برادری سے تھا اور وہ مہر الٰہی کلیم مدیر روزنامہ اخبار بریلی کا برادر کلاں تھا"

حقیقی صورت حال یہ ہے۔ مہر الٰہی شمسی، منشی کرم الٰہی کلیم ایڈیٹر روزنامہ اخبار بریلی کے چھوٹے صاحبزادے تھے، اور ان کے بڑے بھائی کا نام احسان الٰہی تھا۔ مہر الٰہی نے سکھر سندھ سے روزنامہ "کلیم" جاری کیا جو اس وقت بھی جاری ہے اور میرے پاس آتا ہے۔ احسان الٰہی انجمن پنجابی سوداگران کراچی میں بہ حیثیت کاتب ملازم تھے۔ غالباً حیات ہیں۔ مہر الٰہی کا دو سال قبل انتقال ہوگیا۔ منشی کرم الٰہیؒ کلیمؔ کے بڑے بھائی کا نام منشی عبدالعزیز تھا۔ وہ روہیل کھنڈ گزٹ نکالتے تھے۔ محمد عبدالحمید غالباً منشی عبدالعزیز کے صاحبزادے تھے۔ مجھے تحقیق نہیں ہے۔ منشی کرم الٰہی کلیم، عم محترم سید الطاف علی بریلوی



کے کرایہ دار تھے۔ روزنامہ اخبار، محلہ عقب کوتوالی شاہ آباد سے شایع ہوتا تھا۔ یہ مرنجان و مرنج قسم کے بزرگ تھے۔ اس دور کی مصالح کے مطابق سرکار پرستی کی پالیسی اپنائے ہوئے تھے لیکن ساتھ ساتھ اسلامی، قومی جذبات کی ترجمانی بھی کرتے تھے۔

'العلم' سہ ماہی برابر بھجواتا ہوں[1]۔ جناب محترم شہاب الدین دسنوی صاحب کی معرفت 'العلم' اور چند کتب (مطبوعات کانفرنس) بھی بھیجی تھیں۔ انجمن ترقی اردو کے دفتر میں دسنوی صاحب کے اعزاز میں نشست تھی، میں بھی اس مختصر نشست میں مدعو تھا۔ خرچ ڈاک اس قدر بڑھ گیا ہے کہ بیان نہیں کیا جاسکتا، محض ۱۲۸ صفحات کا 'العلم' آپ کی خدمت میں اب -/۲۷ روپیہ میں SURFACE MAIL RAGD جاسکے گا۔ پھر کتب کا مسئلہ دگر ہے[2]۔ کسی عنوان سے قارئین 'معارف' کو اتنا تو بتا دیجئے کہ 'العلم' نام کا کوئی پرچہ کراچی پاکستان سے نکلتا ہے۔ فقط والسلام مخلص

مصطفیٰ علی بریلوی

پس تحریر: ایک ہفت روزہ 'العرش' اختر مرزا لبسولوی کی ادارت میں ۳۴-۱۹۳۳ء میں نکلتا تھا جس میں سید الطاف بریلوی لکھتے تھے۔ میرے پاس اخبار کے تراشے ہیں۔

۱۹۴۰ء میں بریلی سے ایک اخبار روزنامہ آزاد کے نام سے راقم نے بھی جاری کیا تھا۔ میری قبل از وقت بلوغیت اور سیاسی ناتجربہ کاری کی وجہ سے بند ہوگیا۔ اسکی ایک کاپی محفوظ ہے۔ فوٹو اسٹیٹ ارسال خدمت ہے[3]۔

---

[1] شکریہ، اگرچہ ڈاک کے نظام کی خرابی سے کبھی ملتا ہے کبھی نہیں [2] ڈاک خرچ بڑھتا جاتا ہے اسکے باوجود ڈاک یا تو ضایع ہوجاتی ہے یا بہت تاخیر سے ملتی ہے [3] افسوس ہے کہ اس کے بعد کا صفحہ لفافے میں شامل ہونے سے رہ گیا اور فوٹو اسٹیٹ کاپی نہیں ملی۔

ادبیات

# غزل

از ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی، علی گڑھ۔

دشمنِ جانم نہ منظورِ نظر خواہم نوشت

من ترا در نامہ القابِ دگر خواہم نوشت

تا نیاید بر مزاجِ نازکت حرفم گراں

آرزوی دل بہ آیینِ خبر خواہم نوشت

دلبرانہ خندہ ای کردی و رفتی از برم

عمرہا من ماجرای چشمِ تر خواہم نوشت

می نگنجد در بیان کیفیت تنہائیم

داستانِ حسرتِ دیوار و در خواہم نوشت

کاش تاثیری گذارد در دلِ بی مہر تو

نامۂ شوقی کہ با خونِ جگر خواہم نوشت

تا در آیندہ فریبِ حسنِ خوبان کم خورند

ہرچہ با من کردہ ست، سر بسر خواہم نوشت

یک دل با ہوش را خرم ندیدم در جہان

قصۂ محرومیِ اہلِ نظر خواہم نوشت

در کنارِ من رساند کاش دلدارِ مرا

تا زیم، حمدِ خدای دادگر خواہم نوشت



بر ہمین اطوار اگر ماند بساطِ روزگار

زیست را بازیچۂ شام و سحر خواہم نوشت

فتنہ ہا در چارسو بینند و نگشایند لب

ماجرای کوریِ اہلِ بصر خواہم نوشت

قصۂ نمرود ہا، افسانۂ جمشید ہا

از برای عبرتِ اربابِ زر خواہم نوشت

تا بکی ایراد گیرم بر رفیقانِ سفر

بعد ازین ہر راہزن را راہبر خواہم نوشت

منتظر ہستم شبِ اندیشہ تا آید بسر

صبحدم رودادِ این خونین سفر خواہم نوشت

بر نیاید تا بکی یا رب، یکی از صد امید؟

تا بکی یا رب، دعا را بی اثر خواہم نوشت؟

غیر دشمن، یار غافل، چیست انجامم رئیس

ہرچہ میخواہم نوشتن، آہ گر خواہم نوشت

# غزل

از جناب محمد عبدالقدیر ایڈوکیٹ ہائی کورٹ الٰہ آباد

یوں ابتدائے یوم بہ وقتِ طلوع کر
ہر کام اس کے نام کو لے کر شروع کر

حاجت میں گر کہیں بھی نہ دستِ طلب دراز
جو سب کا کارساز ہے اس سے رجوع کر

ہو شادماں تو سجدۂ صد شکر کر ادا — کلفت میں اہتمام قیام و رکوع کر
ممکن ہے بخش دے وہ تیرے اَنگنت گناہ — اک سجدہ بے ریا بہ خشوع و خضوع کر
نیکی ہے تیری اصل میں ایمان و اتقا — چہرے کو خواہ مشرق و مغرب رجوع کر
مٹ جائے اس جہان سے نفرت کی تیرگی — سورج اک ایسا مہر و وفا کا طلوع کر
اک خواب ٹوٹنے سے کوئی ٹوٹتا نہیں — پھر حوصلے سے زیست دوبارہ شروع کر

سونے پڑے ہیں دیر سے دار و رسن قدیرؔ
تازہ فروغِ رسمِ صلیبِ یسوع کر

## غزل

از مولانا عثمان احمد قاسمی جونپوری

نصیب دشمناں برگشتہ جب ہوتی ہیں تقدیریں — نہیں پھر کام بنتا ہے کرو تم لاکھ تدبیریں
رباب و چنگ چھوڑو، نغمۂ بلبل سے منھ موڑو — علم بردوش ہوکر ہاتھ میں لو اپنی شمشیریں
خدا کے نام کی عظمت نمایاں ہو کے رہتی ہے — لرز جاتا ہے باطل سن کے اہل حق کی تکبیریں
مجاہد خندہ لب ہو کر مصائب جھیل جاتا ہے — ہو پھندہ دار کا یا قید خانے کی ہوں زنجیریں
حقیقت پر ہے مبنی حضرت اقبال کا مصرع — نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
بہت کمزور اپنی زندگانی کی عمارت ہے — تو کیا ہوں گی ہمارے واسطے مضبوط تعمیریں
ہمیشہ دل کی بیماری دوا سے اور بڑھتی ہے — دوائے دل میں ہوتی ہیں مرض بڑھنے کی تاثیریں

سنہرے خواب جو دیکھے تھے آغازِ محبت میں
سب الٹی ہو گئیں عثمانؔ ان خوابوں کی تعبیریں



# باب التقریظ والانتقاد

## رسالوں کے خاص نمبر اور نئے رسالے

ماہنامہ **آج کل** فروری ۹۴ء اختر الایمان نمبر، مدیر جناب محبوب الرحمن فاروقی، صفحات ۷۴، قیمت تین روپے، پتہ: بزنس منیجر، پبلی کیشنز ڈویژن، پٹیالہ ہاؤس، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱۔

اردو کا مشہور و مقبول ماہنامہ آج کل اپنے معیاری مضامین اور حسن سلیقہ کیلئے محتاج تعارف نہیں، اس کے خاص شماروں میں یہ خوبیاں اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہیں، اور اس کی تازہ مثال زیر نظر اختر الایمان نمبر ہے، اختر الایمان، موجودہ شعرائے اردو کی صف اول میں ہیں، مداحوں کی نظر میں وہ واحد شاعر ہیں جنھوں نے اپنی منفرد پہچان اپنی شاعری کے آغاز سے ہی بنالی، خود اختر الایمان کا بیان ہے کہ فراق، فیض، میراجی، راشد اور مجاز کی طرح وہ اپنے عہد کے نمائندہ شاعر ہیں، ایک انٹرویو میں جو اس رسالہ میں شامل ہے انھوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ "میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت مجھ سے بہتر شاعری کوئی نہیں کرتا" اسی اجمال کی تفصیل اس شمارہ کی تقریباً تمام تحریریں ہیں جو اردو کے چلے ہوئے نقادوں اور ادیبوں کے قلم سے نکلی ہیں، مثلاً شمس الرحمٰن فاروقی کے خیال میں "آج کوئی نہیں جو اختر الایمان کی طرح کثیر الصوت لہجے میں نظم شروع کر سکے" ایک عام قاری کے لیے کثیر الصوت اور متحفظ جیسے الفاظ کا ابہام خود محتاج بیان ہے، اختر الایمان کے نام کچھ خطوط ہیں اور سوانح و حالات کے باب میں انکی خود نوشت مختصر آپ بیتی کے علاوہ انکی

بیگم کے قلم سے بھی ایک مضمون ہے۔

ماہنامہ **نیا دور**' قومی یک جہتی نمبر' مدیر جناب سید امجد حسین' صفحات ۱۲۰، قیمت ۵ روپے' سالانہ ۳۰ روپے' پتہ: انفارمیشن و پبلک ریلیشنز ڈپارٹمنٹ، لکھنؤ' اتر پردیش'

یو پی کے محکمہ اطلاعات کا ترجمان رسالہ نیا دور اپنے معیاری خاص شماروں کے لیے شہرت و وقعت رکھتا ہے، زیر نظر قومی یکجہتی نمبر' موجودہ حالات میں ایک بروقت کاوش ہے، جو مشہور اہل قلم کی مفید تحریروں سے مزین ہے' اس نمبر سے قومی یک جہتی کی ضرورت واہمیت نمایاں ہونے کے علاوہ ہندو مسلم اتحاد' باہمی رواداری اور احترام آدمیت کا سبق ملتا ہے' اس پیغام محبت کو عام کرنے کے لیے اس نہایت خوبصورت اور دیدہ زیب شمارہ کی قیمت صرف پانچ روپے رکھی گئی ہے۔

سہ روزہ **دعوت**' ہندتو ایک مطالعہ' ایک جائزہ' مدیر جناب پرواز رحمانی صفحات ۲۱۰' قیمت پچیس روپے' پتہ: دفتر دعوت سی۔ ۳۴۰، ابوالفضل انکلیو جامعہ نگر' اوکھلا' نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵۔

ہندوستان کے موجودہ سیاسی اور فکری دور انتشار میں ہندتو کا نعرہ ایک مخصوص طبقہ کی جانب سے زور و شور سے بلند کیا گیا، ہندو مذہب یا قدیم ویدک دھرم سے انتساب کے باوجود عملاً اس کی ایسی تصویر پیش کی گئی کہ اب اس کی شناخت کی چنداں ضرورت نہیں رہی، تاہم اس کے مطالعہ و محاسبہ کی گنجائش تھی اور خوشی ہے کہ موقر جریدہ دعوت نے اس تقاضہ کو بطریق احسن پورا کیا اور ہندتو کی تاریخ، عصر حاضر میں اس کے احیا کی ضرورت' اس کا طریق کار' معاشرہ کے مختلف شعبوں میں اس کو رائج کرنے کی کوششوں



اور مسلمانوں کے متعلق اس کے نظریات کا عمدہ جائزہ پیش کر دیا گیا ہے، موجودہ حالات کی مناسبت سے اس شمارہ کا مطالعہ اور بھی ضروری ہے۔

ماہنامہ **شیرازہ**' اقبال نمبر' مدیر اعلیٰ جناب محمد یوسف ٹینگ' صفحات ۳۰۰' قیمت درج نہیں' پتہ: شیرازہ اردو' جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لنگویجز' لال منڈی سرینگر' کشمیر'

۱۹۷۷ء میں علامہ اقبال صدی تقریبات کے موقع پر رسالہ شیرازہ نے بھی اقبال نمبر شایع کیا تھا، بلند پایہ مضامین کی وجہ سے اسے علمی و ادبی حلقوں میں قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا گیا، زیر نظر شمارہ اس کا دوسرا اور جدید ایڈیشن ہے۔ اس میں طبع اول کے بعض مشمولات حذف کیے گئے ہیں تو بعض نئے مضامین شامل ہیں اور اس سے دونوں ایڈیشنوں کی اہمیت برقرار ہے۔

ماہنامہ **آموزگار**' یوپی تعلیمی کارواں نمبر' مدیر جناب اکبر رحمانی' صفحات ۵۶، قیمت ۱۵ روپیے سالانہ ۷۵ روپیے' پتہ: مکتبہ آموزگار' کاشانہ سہیل، ۳۰، بھوانی پیٹھ اسلام پورہ' جلگاؤں' مہاراشٹر۔

مسلمانوں اور اردو کے تعلیمی و تدریسی مسائل کے سلسلہ میں ماہنامہ آموزگار کی خدمات قدر کی نگاہوں سے دیکھی جاتی ہیں' اس کے چند خصوصی شمارے جیسے نئے تعلیمی پالیسی نمبر' اقلیتی تعلیمی حقوق نمبر، تاریخ نمبر اور ادب اطفال نمبر مقبول ہوئے، گذشتہ سال یوپی میں مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کے اسباب و علاج کی تلاش میں بعض دردمند افراد پر مشتمل ایک تعلیمی کارواں جناب سید حامد کی قیادت میں سرگرم سفر ہوا' مدیر آموزگار بھی اس میں شامل تھے، زیر نظر شمارہ اسی سفر کی روداد کا پہلا حصہ ہے جس میں علی گڑھ، ایٹہ، پٹیالی

کا ذکر ہے، رحمانی صاحب کی اور تحریروں کی طرح اس سفر نامہ کی افادیت بھی مسلم ہے۔

**مجلہ المآثر** مدیر مسئول مولانا رشید احمد الاعظمی، مدیر تحریر مولانا اعجاز احمد اعظمی، زرسالانہ ۵۰ روپے، فی شمارہ ۱۵ روپیے، پتہ: المجمع العلمی، مدرسہ مرقاۃ العلوم، پی او بکس نمبر ۱، مئو، یوپی ۲۷۵۱۰۱۔

شیخ الحدیث مولانا حبیب الرحمن اعظمی کے سانحہ ارتحال کے بعد ان کی مبارک حدیثی و فقہی خدمات کے فیضان کو جاری رکھنے کی غرض سے اس رسالہ کا اجرا ہوا ہے، اب تک اس کے جتنے شمارے شایع ہوئے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اپنے مقصد میں کامیاب ہے، شیخ الحدیث کے مضامین اور دوسری تحریروں کا انتخاب عمدگی اور خوش سلیقگی کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے اور باطن کی طرح اس کے ظاہر سے بھی پاکیزگی نمایاں ہے۔ اکتوبر نومبر دسمبر ۹۳ء کے شمارے میں تین طلاق کے مسئلہ پر حضرات صحابہ کرامؓ و تابعینؒ کے فتاوی کی روشنی میں شیخ الحدیث مرحوم کی بلند پایہ تحریر شامل ہے جو پہلی بار طبع ہوئی ہے، بیمہ کے جواز و عدم جواز کے متعلق تین اہم مضامین بھی ہیں، رسالہ میں ایک مستقل کالم الفتاوی کا بھی ہوتا ہے، رسالہ قدردانی کا مستحق ہے۔

**عالم اسلام اور عیسائیت** مدیر اعزازی سفر اختر، فی شمارہ دس روپے، سالانہ ایک سو روپے، پتہ: بک پروموٹرز، بلاک ۱۹ مرکز ایف سیون، اسلام آباد، پاکستان۔

رسالہ کا مقصد نام سے ظاہر ہے، چنانچہ عالم اسلام خصوصاً پاکستان میں مسیحیوں کے مسائل اور اسلام اور مسلمانوں سے ان کے علمی و سماجی رشتوں کی استواری کی کوشش اس کے صفحات سے نمایاں ہے، لہجہ معتدل اور غیر جذباتی ہے، بعض مضامین مثلاً انگلستان



اور عربی علوم و فنون، مستشرقین کی تحقیقات، اقبال کی نظر میں، اور اسلام کا سابقہ عیسائیت سے، اچھے ہیں، یہ مفید رسالہ بھی اہل نظر کے ملاحظہ کے لائق ہے۔

**ضیاء وجیہہ** خواجہ معین الدین چشتی نمبر، مدیر جناب وجاہت اللہ خاں قادری، صفحات ۹۱، قیمت ۱۱ روپے، سالانہ قیمت . . . پتہ: دفتر ضیاء وجیہہ، مسٹن گنج، رامپور، یوپی۔

جامع العلوم فرقانیہ رامپور کا ترجمان ماہنامہ ضیاء وجیہہ گو کم عمر رسالہ ہے، لیکن تھوڑے عرصہ میں اس نے اپنے مفید مضامین کی وجہ سے اچھا تاثر قائم کیا ہے، اضطراب و بے چینی کے موجودہ حالات میں خواجہ معین الدین چشتی کی تعلیمات کی بڑی اہمیت ہے اس کے پیش نظر اس خاص شمارہ میں شاہ وجیہ الدین قادری، ڈاکٹر نثار احمد فاروقی، خواجہ حسن ثانی نظامی وغیرہ کی موثر تحریریں شامل ہیں، حصۂ نظم بھی خاصے کی چیز ہے، رسالہ کا یہ پہلا خاص شمارہ ہے اور اپنے نیک مقصد میں کامیاب ہے۔

**نصرۃ الاسلام** میرواعظ مولوی محمد فاروق شہید ملت نمبر، مدیر جناب محمد سعید الرحمن شمس، صفحات ۸۰، زرسالانہ ۵۰ روپے، خاص نمبر کی قیمت درج نہیں، پتہ: شعبۂ نشر و اشاعت، انجمن نصرۃ الاسلام، سرینگر جموں و کشمیر۔

میرواعظ مولوی محمد فاروق، کشمیر کے ممتاز مذہبی و دینی قائد تھے، اخلاص، سوز دروں اور قوم کی خدمت کے جذبہ صادق نے ان کو وادی کشمیر کا رہنما اور ترجمان بنا دیا تھا، ۱۹۹۰ء میں ان کی شہادت کا واقعہ پیش آیا تو ان کا جنازہ جس شان سے اٹھا اسکی مثال کم ملتی ہے، ماہنامہ نصرۃ الاسلام کے وہ سرپرست تھے اور اس کے صفحات انکی تقریروں اور تحریروں سے مزین رہتے تھے، ان کی یاد میں گزشتہ سال انجمن کے زیر اہتمام

ایک علمی مجلس میں مقالات و خطبات پیش کیے گئے، ان میں بعض ایسی مفید تحریروں کو اس شمارہ میں جمع کر دیا گیا ہے جن سے ہیرواعظ شہید کی زندگی کے مختلف گوشے سامنے آجاتے ہیں۔

ماہنامہ **ارمغان** شاہ ولی اللہ' دعوت اسلامی پیشکش' مدیر جناب وصی سلیمان ندوی' صفحات ۱۱۹' قیمت دس روپے زر سالانہ ۱۳۰ روپے' پتہ: دفتر ارمغان' پھلت ضلع مظفر نگر یوپی ۲۵۱۲۰۱۔

زیر نظر رسالہ جمعیۃ شاہ ولی اللہ کا ترجمان ہے' مولانا محمد کلیم صدیقی کی رہنمائی میں اس جمعیۃ کا مقصد مسلمانوں کے عقیدہ و دین کی اصلاح و حفاظت کے ساتھ غیر مسلموں اور پوری انسانیت کو اسلام کے پیام رحمت سے روشناس کرنا ہے' زیر نظر خصوصی شمارہ دعوت اسلامی کے موضوع پر محیط ہے، صدر جمعیۃ کے قلم سے دعوت کی اہمیت' طریقہ کار خصوصاً مرتدین اور اقوام غیر میں دعوت اسلامی کو عام کرنے کے متعلق مفصل و موثر تحریر ہے' رسالہ میں چند مکتوبات بھی ہیں' ان میں ماہر غالبیات جناب مالک رام کا ایک خط بھی ہے جو انھوں نے اپنے انتقال سے صرف ۵ روز پہلے مولانا کے نام لکھا تھا اس میں انھوں نے اپنے قبول اسلام کا صاف اقرار کیا، یہ تمنا بھی کی کہ "کاش اللہ تعالیٰ صحتیاب فرمائے تو کچھ کفر و شرک کی زندگی کی تلافی کر سکتا"۔

ماہنامہ **ہمدرد نونہال**' پاکیزہ ماحول نمبر' مدیر جناب مسعود احمد برکاتی' صفحات ۱۷۶' قیمت ۱۰ روپے' سالانہ ۸۵ روپے' پتہ: ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد' کراچی پاکستان ۷۴۶۰۰۔

ہمدرد نونہال کی شکل میں پاکستان کا ادارۂ ہمدرد ہر مہینہ بچوں کو ایک نہایت خوبصورت تحفہ پیش کرتا ہے' دلچسپ کہانیوں' نظموں اور رنگ برنگ تصویروں کے اس



مجموعہ کا خاص وصف بچوں کی ذہنی اور جسمانی نشوونما کا بہترین حکیمانہ انداز تربیت ہے، مختصر تحریروں اور آسان زبان میں اسلامی تعلیمات کو اس خوبی سے آمیز کر دیا جاتا ہے کہ وہ واقعتاً روح افزا ہو جاتی ہیں' زیر نظر خاص شمارہ موجودہ دور کے ایک مسئلہ آلودگی سے متعلق ہے جس میں فضا، غذا، پانی اور خود جسم انسانی کی ظاہری و باطنی ہر قسم کی آلودگی شامل ہے، ایسے اہم موضوع پر پُر از معلومات تحریریں' بچوں کے ساتھ بڑوں کے لیے بھی دلکش ہیں، ایسے بامقصد شماروں کی اشاعت کے لیے جناب حکیم محمد سعید اور فاضل مدیر جناب مسعود احمد برکاتی شکریہ اور مبارکباد کے لائق ہیں۔

سالانہ **مجلہ** انجمن طلبہ مدرسۃ الاصلاح' مدیر جناب طارق اعجاز اعظمی' صفحات ۱۶۸' قیمت درج نہیں' پتہ: انجمن طلبہ مدرسۃ الاصلاح سرائمیر، اعظم گڈھ۔

یہ مجلہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر کے طلبہ کے فکری و تعلیمی معیار کا گویا آئینہ ہے اور اس میں ان کا عکس واضح بھی ہے اور خوشکن بھی' اس کا اندازہ مجلہ کے باب بحث و تحقیق کے ان معارت مضامین سے ہوتا ہے جو علوم القرآن سے متعلق ہیں اور یہ سب طلبہ کے قلم سے ہیں' حق و صبر کی حقیقت کے عنوان سے مولانا فراہیؒ کی ایک تحریر بھی دی گئی ہے اور ایک مضمون میں بابری مسجد کی تاریخ کو جامعیت و اختصار کے ساتھ پیش کیا گیا ہے' اس مجلہ کی اشاعت کے لیے انجمن طلبہ الاصلاح حوصلہ افزائی اور تحسین کی حقدار ہے۔

ماہنامہ **حسامی** مدیر جناب محمد حسام الدین ثانی عامل' صفحات ۴۶ فی شمارہ ۸ روپے' سالانہ ۹۰ روپے' پتہ: دفتر ماہنامہ حسامی' حسامیہ منزل' حیدرآباد۔۲

یہ حیدرآباد کی مذہبی صحافت میں ایک تازہ اور خوشگوار اضافہ ہے' اسلامی تعلیمات

سلف صالحین کے حالات اور عصری تغیرات پر توجہ اس کے مقاصد میں ہے اب تک جو شمارے موصول ہوئے ہیں ان سے خوب سے خوب تر کی تلاش کے آثار ظاہر ہیں۔

ماہنامہ **الشریعہ** مدیر جناب ابو عمار زاہد الراشدی، فی پرچہ دس روپے، سالانہ سنو روپے، پتہ: منیجر ماہنامہ الشریعہ، جامع مسجد شیرانوالہ باغ، گوجرانوالہ پاکستان۔

چھوٹی تقطیع کا یہ رسالہ ایک فعال دینی تنظیم ورلڈ اسلامک فورم کا ترجمان ہے، اور پاکستان کے علاوہ یہ لندن سے بھی نکلتا ہے، مضامین متنوع ہیں مگر سب مذہبی رنگ میں ہیں، زیر نظر شمارہ میں ایک مضمون میں دیوبندی مترجمین قرآن کی فہرست دی گئی ہے اس میں مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا عبدالباری فرنگی محلی اور ڈاکٹر حمید اللہ حیدرآبادی ثم فرانسوی بھی شامل ہیں۔ ع۔

**مجلہ فقہ اسلامی** (جزء اول) مصرف زکوٰۃ فی سبیل اللہ، مرتب جناب مولانا مجاہد الاسلام قاسمی بہتر کتابت و طباعت، صفحات ۱۵۰، قیمت درج نہیں، پتہ: قاضی پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز، ونیو بلڈنگ، حضرت نظام ویسٹ، نئی دہلی ۱۳۔

زیر نظر مجلہ اسلامی فقہ اکیڈمی کی گذشتہ اہم فقہی رودادوں میں ایک اور اہم اضافہ ہے، اس سے پہلے پگڑی، اعضاء کی پیوندکاری، سودی لین دین، بینکنگ، انشورنس وغیرہ جیسے عصری مسائل پر اکیڈمی کے فقہی سیمیناروں کی رودادیں تھیں تو اس مجلہ میں اس کے پانچویں سیمینار کے ایک اہم موضوع یعنی آیت زکوٰۃ میں فی سبیل اللہ کے مفہوم میں تعمیم و توسیع کی گنجائش ہے یا وہ محض مجاہدین و مقاتلین کے لیے خاص ہے، پر مباحثہ و مقالات کی روداد سلیقہ سے پیش کی گئی ہے، فقہی موضوعات سے تعلق رکھنے والوں کے لیے یہ بہترین تحفہ ہے۔ ع۔



# مطبوعات جدیدہ

**خطوط ماجدی**: مرتب جناب ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ اور کتابت و طباعت، مجلد مع گردپوش، صفحات ۲۷۲، قیمت درج نہیں، پتہ: مکتبہ شاہد علی گڑھ کالونی، کراچی ۱۴۔

مولانا عبدالماجد دریابادی کے خطوط کے دو مجموعے "مکتوبات ماجدی" اور "رقعات ماجدی" پہلے شائع ہو چکے ہیں، یہ نیا مجموعہ لگ بھگ سوا تین سو خطوط پر مشتمل ہے جس کے ۱۱۵ مکتوب الیہم میں برصغیر کی قریباً تمام معروف و مشہور ہستیاں شامل ہیں، ان میں چند خطوط مکتوبات ماجدی سے لیے گئے ہیں، باقی اخبارات و رسائل میں منتشر تھے، یہ سب علمی، ادبی اور مذہبی حیثیت سے اہم ہونے کے علاوہ مولانائے مرحوم کے مخصوص طرز انشا کا دلکش نمونہ بھی ہیں، ان جواہر پاروں کو اکٹھا کرکے قدردانوں کے لیے یقیناً ایک بیش قیمت خزانہ مہیا کر دیا گیا ہے، فاضل مرتب کے قلم سے مقدمہ میں مولانا کے سوانح و کمالات کو بڑی خوبی سے پیش کیا گیا اور بجا طور پر لکھا گیا ہے کہ "یہ مجموعہ مولانا دریابادی کی خطوط نگاری کی تمام خوبیوں کا جامع ہے"۔ ایک جگہ مولانا کی جائے وفات کے متعلق تسامح ہو گیا ہے، مولانا کا انتقال دریاباد میں نہیں لکھنؤ میں ہوا تھا، البتہ تدفین دریاباد میں ان کے جد امجد خواجہ محمود اسبکش کے پہلو میں ہوئی، ص ۱۷۶ پر مولانا کا یہ مختصر مگر پُر مغز خط درج ہے: "ہدیہ گرامی موصول ہو گیا، جزاک اللہ، تیل اور سرمہ کا عطیہ سر آنکھوں پر"، اس کے مکتوب الیہ کو نا معلوم لکھا گیا ہے، یہ خط کلکتہ کے بزرگ

عالم وحکیم جناب مولانا محمد زماں حسینی کے نام ہے اور مکتوبات ماجدی میں ان کے نام کی صراحت کے ساتھ مذکور ہے، آیات کی کتابت میں زیادہ توجہ اور احتیاط کی ضرورت تھی، ص۳۰۸ پر وللہ ینامزید کی جگہ وللہ ینامزیا لکھ گیا ہے۔

**حیرت کدۂ عالم** از جناب ریاض الدین احمد صاحب، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ اور طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۲۱۶، قیمت ۴۵ روپے، پتہ: کتابستان، ۳۰۔ چک الٰہ آباد ۲۱۱۰۰۳۔

جدید سائنس نے کائنات اور اس کی مخلوقات اور خود انسان اور اس کی زندگی کے متعلق جو اسرار فاش کیے ہیں ان کا مطالعہ طلسم ہوش ربا سے کم دلچسپ اور حیرت انگیز نہیں، عقل و بصیرت کے لیے یہ تحقیقات جدیدہ دراصل آیات بینات ہیں جن سے خالق حقیقی اور قادر مطلق کے وجود اور اس کی قدرت کا مشاہدہ ہوتا ہے، زیر نظر کتاب میں فاضل مرتب نے اسی مقصد سے ان انکشافات پر ایک مومن کی نظر ڈالی ہے جو ملکوت السموات والارض میں نظر و تفکر کی اچھی مثال بھی ہے، مثال کے طور پر جینس (GENES) کے متعلق لکھتے ہیں کہ "یہ اس قدر ناگفتنی حد تک باریک ہوتے ہیں کہ ان کو بغیر طاقتور خوردبین کے دیکھا نہیں جا سکتا، اگر ان کے اسی حصہ کو جمع کیا جائے جن پر دنیا کی تمام آبادی کا انحصار ہے تو وہ سب کے سب ایک انگشتانے سے کم جگہ میں اکٹھا کیے جا سکتے ہیں"۔ اس کی مزید تفصیل قلم بند کرنے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں:

"... وہ کارساز ہست و بود ہی ہے جو اتنی لمبی چوڑی دنیا کی پوری آبادی وجود میں لا سکتا تھا اور وہی اس آبادی کے ایک ایک فرد کو کم سے کم جگہ میں مجتمع کر کے قیامت کے دن پھر اٹھا سکتا ہے"۔ کمپیوٹر کی طباعت میں کئی جگہ غلطیاں ہیں خصوصاً عربی کو



ہر جگہ عرب لکھ دیا گیا ہے۔ کتاب سب کے مطالعہ میں آنے کے لائق ہے لیکن مدارس دینیہ کے طلبہ کے لیے سائنسی مضمون کی حیثیت سے اس کا مطالعہ خاص طور پر مفید ثابت ہو سکتا ہے۔

**الواح الصنادید** از جناب مولانا عطاء الرحمن قاسمی، متوسط تقطیع، کاغذ کتابت و طباعت عمدہ، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۲۹۲، قیمت ۱۰۰ روپے، پتہ: مولانا آزاد اکیڈمی ۴-۳۴ ابو الفضل انکلیو، اوکھلا، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵۔

دہلی مرحوم کے قبرستان مہندیان کی خاک یوں پاک ہے کہ اس میں شیخ عبد العزیز شکر بار، شاہ عبد الرحیم دہلوی اور ان کے مایہ ناز فرزند حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ان کے اولاد و احفاد اور دوسرے متعدد بزرگ آسودہ خواب ہیں، بقول خواجہ احمد فاروقی "یہاں صدیوں کی دولت گڑی ہوئی ہے اور ایسے ایسے اہل کمال جمع ہیں کہ آسمان کو بھی اس زمین پر رشک آتا ہوگا"۔ اسی تاریخی قبرستان کی مسجد میں جامعہ رحیمیہ قائم ہے، جس کے استاد مولانا عطاء الرحمن قاسمی نے شاہ ولی اللہ کے علاوہ اس کے دوسرے گنج ہائے گراں مایہ اور مدفون ہستیوں کی الواح تربت کا پتہ لگا کر ان کے احوال و خدمات کا ایک عمدہ مرقع پیش کر دیا، خانوادہ ولی اللہی کے علاوہ انھوں نے مومن خاں مومن، مولانا مملوک علی نانوتوی، مولانا محمد حسین فقیر دہلوی، سمیع اللہ خاں، ڈاکٹر سید محمود، مولانا حفظ الرحمن، مولانا مفتی عتیق الرحمن عثمانی، حکیم الیاس خاں، مولانا امداد صابری وغیرہ متعدد مشاہیر کے سوانح بھی جمع کر دیے ہیں۔

**علوم الحدیث** از جناب مولانا محمد عبید اللہ الاسعدی، متوسط تقطیع، کاغذ اور کتابت و طباعت بہتر، صفحات ۴۴۰، قیمت ۱۳۰ روپے، پتہ: مکتبہ حراء،

پوسٹ بکس ۹۴، ۳، لکھنؤ یوپی۔

لایق مولف جامعہ عربیہ ہتورا ضلع باندہ میں عرصہ سے درس و تدریس کے شعبہ سے وابستہ ہیں، دینی علوم کی ترویج اور طلبہ کی تشویق کے خیال سے انھوں نے تسہیل البلاغہ، اصول الفقہ، تسہیل اصول الفقہ کو مرتب کیا، زیر نظر کتاب بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہے، اس میں انھوں نے مصطلحات حدیث کی تشریح و توضیح آسان اور سلیس زبان اور اچھے پیرایے میں کی ہے، آخر الذکر دو ابواب میں انھوں نے عہد بعہد کی اہم مولفات حدیث کا جائزہ لیا ہے، ائمہ اربعہ کی مولفات، امام ابو حنیفہ کی مرویات کے مجموعوں اور علمائے احناف اور علمائے ہند کی کتابوں کا بھی ذکر کیا ہے، فن حدیث کے طلبہ و اساتذہ کے علاوہ یہ عام لوگوں کے بھی مطالعہ میں آنے کے لایق ہے۔

**اردو کی چند نایاب مثنویاں** از جناب ڈاکٹر حامد اللہ ندوی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ اور کتابت و طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۲۰۸، قیمت ۱۵۰ روپے، پتہ: موڈرن پبلشنگ ہاؤس ۹ گولا مارکیٹ، دریا گنج نئی دہلی ۲۔

ڈاکٹر حامد اللہ ندوی بمبئی کے اداروں سے وابستہ رہ کر عرصہ سے علمی و تحقیقی خدمت انجام دے رہے ہیں، ابھی چند برس پہلے ان کی ایک کتاب "جامع مسجد بمبئی کے اردو مخطوطات" کا ذکر ان صفحات میں آچکا ہے، اسی کتاب کی ترتیب و تکمیل کے سلسلے میں ان کی نظر سے بعض نایاب اور قدیم مثنویاں گزریں جن میں کچھ تو مخطوطے کی شکل میں تھیں اور بعض گو مطبوعہ تھیں لیکن اب وہ بھی نایاب ہیں، ان مثنویوں کی اہمیت کی بنا پر ڈاکٹر صاحب نے معارف اور دوسرے رسائل میں ان کا سیر حاصل تعارف کرایا، زیر نظر کتاب میں ان تمام مضامین کو جمع کر دیا گیا ہے۔ اس کتاب کی اشاعت سے اردو مثنویات پر ایک معیاری علمی و تحقیقی کتاب کا اضافہ ہوا۔



**حکیم عبد القوی دریابادی، حیات و خدمات** مرتب جناب عبد العلیم قدوائی، عمدہ کاغذ اور کتابت و طباعت، صفحات ۹۵، قیمت ۵ روپے، پتہ: عبد العلیم قدوائی، خاتون منزل، حیدر مرزا روڈ، لکھنؤ، یوپی۔

جناب حکیم عبد القوی دریابادی مرحوم، صدق کے سابق مدیر اور مولانا عبد الماجد دریابادی کے جانشین تھے، ان کے قابل رشک اور لایق تقلید سوانح ایک مفصل کتاب کے متقاضی ہیں، زیر نظر رسالہ میں ان کے بعض اعزہ و اقارب اور احباب و مخلصین کی چند تعزیتی تحریریں اور خطوط جمع کر دیے گئے ہیں، لایق مرتب حکیم صاحب مرحوم کے چھوٹے بھائی ہیں ان کے قلم سے جو تحریر اس مجموعہ میں شامل ہے وہ بڑی موثر ہے، اس رسالہ کی اشاعت کے وقت ان کو اپنی نوجوان صاحبزادی کی اچانک وفات کا جانکاہ صدمہ بھی اٹھانا پڑا، مرحومہ کے عم محترم ڈاکٹر ہاشم قدوائی اور بھائی ڈاکٹر عبد الرحیم قدوائی کے قلم سے ان کی وفات پر دو نثری مرثیے بھی اس رسالہ میں شامل کر دیے گئے ہیں۔

**دین اسلام گورو نانک جی کی نظر میں** از جناب عبد اللہ گیانی، مرتب ایس ایم شریف قریشی، عمدہ کاغذ اور طباعت، صفحات ۱۲۲، قیمت ۱۵ روپے، پتہ: کتبخانہ انجمن ترقی اردو، اردو بازار، جامع مسجد دہلی ۶۔

اس مختصر کتاب میں سکھوں کے گورو نانک جی کے وحدت کے گیتوں کی مدد سے ثابت کیا گیا ہے کہ ان کی تعلیمات میں اسلامی عقائد و اقدار کا نور جھلکتا ہے، لایق مرتب کا خیال ہے کہ گورو نانک جی توحید، رسالت و آخرت پر دل سے ایمان رکھتے تھے، شریعت و طریقت کے عالم اور صوفی منش تھے، اپنے خیال کی تائید میں انھوں نے

سکھ مذہبیات اور گورمکھی زبان کے مسلمان عالم عبید اللہ یا عباد اللہ گیانی نے اس رسالہ کو از سر نو مرتب کر کے شایع کیا ہے، اس میں گورونانک جی کی تعلیمات سے ایسے متعدد شواہد نقل کیے گئے ہیں جو مرتب کے خیال کی تائید کرتے ہیں، مسلم سکھ اتحاد کی غرض سے بھی اس رسالہ کی اشاعت یقیناً مفید ہوگی۔

## تجلیات رحمت عالمؐ (منظوم)

از جناب مولانا حکیم سید محمد مصلح الدین ثاقب مرحوم متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و کتابت و طباعت مع خوبصورت سرورق، صفحات ۲۳۲، قیمت ۴۰ روپے، پتہ: ڈاکٹر سید رضوان اللہ کاظمی ۲۲۲، پہاڑ پور، اعظم گڈھ ۲۷۶۰۰۱۔

زیر نظر مجموعہ اشعار، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور سیرت مبارکہ کے منظوم بیان پر مشتمل ہے اور اس میں شمائل و خصائل نبویؐ کا حصہ خاص ہے، مصنف حاذق طبیب اور جید عالم تھے، اس لیے نعت نگاری میں ان کے اشعار حقیقت کے آئینہ دار ہیں، شمائل سے متعلق اشعار کے حواشی میں انھوں نے اصل روایتیں مع ترجمہ کے نقل کر دی ہیں اور بقول مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم "یہ اس سراپا کی سب سے بڑی خصوصیت ہے جو اردو کی اس قبیل کی نظموں میں مشکل سے مل سکتی ہے"۔ شاہ صاحب کے علاوہ مولانا شاہد فاخری مرحوم اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تعارفی و تعریفی تحریریں اس کی خوبی کی ضمانت ہیں، مگر کتابت کی غلطیاں جا بجا ہیں، اس کتاب کی اشاعت میں صاحب کتاب کے برادر خورد جناب سید علاء الدین کاظمی نے بڑی جد وجہد کی، جس کے لیے وہ ستائش کے مستحق ہیں۔

ع۔ ص۔

# سلسلۂ سیر الصحابہؓ

حصۂ اول (خلفائے راشدین) حاجی معین الدین ندوی: اس میں خلفائے راشدین کے ذاتی حالات و فضائل، مذہبی اور سیاسی کارناموں اور فتوحات کا بیان ہے۔ ۳۰/-

حصۂ دوم (مہاجرین۔ اول) حاجی معین الدین ندوی: اس میں حضرات عشرۂ مبشرہ، اکابر بانضم قریش اور فتح مکہ سے پہلے اسلام لانے والے صحابۂ کرامؓ کے حالات اور ان کے فضائل کا بیان ہے۔ ۴۵/-

حصۂ سوم (مہاجرین دوم) شاہ معین الدین احمد ندوی: اس میں بقیہ مہاجرین کرامؓ کے حالات، فضائل بیان کیے گئے ہیں۔

حصۂ چہارم (سیر الانصار اول) سعید انصاری: اس میں انصار کرام کی مستند سوانح عمریاں ان کے فضائل و کمالات مستند ذرائع بہ ترتیب حروف تہجی لکھے گئے ہیں۔ ۴۵/-

حصۂ پنجم (سیر الانصار دوم) سعید انصاری: اس میں بقیہ انصار کرام کے حالات و فضائل درج ہیں۔ ۳۵/-

حصۂ ششم شاہ معین الدین احمد ندوی: اس میں چار اہم صحابۂ کرامؓ، حضرات حسنینؓ، امیر معاویہؓ اور حضرت عبد اللہ ابن زبیرؓ کے حالات، ان کے مجاہدات اور باہمی سیاسی اختلافات بشمول واقعۂ کربلا درج ہیں۔ ۳۵/-

حصۂ ہفتم (اصاغر صحابہؓ) شاہ معین الدین احمد ندوی: اس میں ان صحابۂ کرام کا ذکر ہے، جو فتح مکہ کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے یا اس سے پہلے اسلام لا چکے تھے مگر شرف ہجرت سے محروم رہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں کمسن تھے۔ ۴۰/-

حصۂ ہشتم (سیر الصحابیاتؓ) سعید انصاری: اس میں آنحضرتؐ کی ازواج مطہرات و بنات طاہرات اور عام صحابیات کی سوانح حیات اور ان کے علمی اور اخلاقی کارنامے درج ہیں۔ ۲۵/-

حصۂ نہم (اسوۂ صحابہؓ اول) عبد السلام ندوی: اس میں صحابۂ کرامؓ کے عقائد، عبادات، اخلاق اور معاشرت کی صحیح تصویر پیش کی گئی ہے۔ ۴۰/-

حصۂ دہم (اسوۂ صحابہؓ دوم) عبد السلام ندوی: اس میں صحابۂ کرامؓ کے سیاسی، انتظامی اور علمی کارناموں کی تفصیل دی گئی ہے۔ ۴۵/-

حصۂ یازدہم (اسوۂ صحابیات) عبد السلام ندوی: اس میں صحابیات کے مذہبی، اخلاقی اور علمی کارناموں کو یکجا کر دیا گیا [illegible]